إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

عبدالماجد دریابادی

تصوف اسلام

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

تصوفِ اسلام

تصوّف کی نو اہم کتابوں کا اجمالی مطالعہ

تالیف

عبدالماجد دریابادی

اسلامک بک فاؤنڈیشن

مؤسسہ انتشارات اسلامی

۲۴۹ - این سمن آباد ، لاہور

129600

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۴۲

جملہ حقوق بحق اسلامک بک فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

ناشر .... اسلامک بک فاؤنڈیشن ، لاہور

طابع .... مکتبہ جدید پریس ، لاہور

تقسیم کار .... المعارف ، گنج بخش روڈ ، لاہور

سال اشاعت .... ۱۴۰۰ھ ○ ۱۹۸۰ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... اعلیٰ اشاعت : ۱۸/۰ روپے
ارزاں اشاعت : ۸/۰ روپے

بسعی و اہتمام

الحاج محمد ارشد قریشی الغزنوی

ایم اے (اقتصادیات) ایم اے (علوم اسلامیہ)

اعزازی ڈائریکٹر ۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۲۹۔ سمن آباد ۔ لاہور

واحد تقسیم کار : "المعارف" گنج بخش روڈ ۔ لاہور

ترتیب

باب نمبر	مضمون		صفحہ
۱	کتاب اللمع	شیخ ابو نصر سراج	۹
۲	کشف المحجوب	شیخ علی بن عثمان ہجویری	[illegible]
۳	رسالۃ القشیریہ	استاد ابو القاسم قشیری	[illegible]
۴	فتوح الغیب	شیخ عبد القادر جیلانی	[illegible]
۵	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی	[illegible]
۶	فوائد الفواد	خواجہ نظام الدین دہلوی	[illegible]
۷	منطق الطیر	شیخ فرید الدین عطار	[illegible]
۸	لوائح	شیخ عبد الرحمٰن جامی	[illegible]
۹	فقرِ محمدی	شیخ احمد الوائلی	[illegible]

پیش لفظ[1]

اسلام خدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل ترین و جامع ترین پیامِ رحمت ہے، انسان کے ذہنی و عقلی، اخلاقی و معاشرتی، جسمانی و روحی، انفرادی و اجتماعی تمام ضرورتوں کا کفیل اور ہر شعبۂ حیات میں ترقیوں کا ضامن، خدارسی و خداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود تھی اس پر اس نے خاص طور سے زور دیا اور اس کے ذرائع و وسائل اس نے اس جامعیت کے ساتھ بیان کیے کہ اُن میں کسی قسم کے تغیر و ترمیم، تخفیف و اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی۔

مسلمانوں میں ابتداء سے ایک گروہ ایسا موجود ہے جس نے تمام مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے اپنا نصب العین محض یادِ خدا و ذکرِ الٰہی کو رکھا اور صدق و صفا، سلوک و احسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔

شروع شروع یہ گروہ دُوسرے ناموں سے ملقب رہا۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے مسلک کا نام مسلکِ "تصوف" پڑ گیا اور یہ گروہ "گروہِ صوفیہ" کہلانے لگا۔

اصطلاحِ "تصوف" کب سے رائج ہوئی؟ اس بحث کا یہاں موقع نہیں، نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیقِ لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے۔ یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے سے مسلمان تھے، پھر صوفی، وہ تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو کہتے تھے وُہ اپنے اسلام کو، اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے اور تصوف کو محض اس لیے عزیز

---

[1] نصف صدی بعد اس کتاب پر نظرِ ثانی کی تو بعض مقامات پر واعظانہ انداز غالب تھا انہیں حذف کر دیا ہے جس سے کتاب کی خالص علمی حیثیت اور اجاگر ہو گئی ہے۔

ومحبوب رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔

صفحات آئندہ میں بعض قدیم اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی اصل تصانیف کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباع کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوۂ رسول و صحابہ کو دلیل راہ رکھا جائے، اوامر و نواہی کی تعمیل کی جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے۔ قلب کو محبت و تعلق ماسوا سے پاک کیا جائے۔ نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور صفائے معاملات و تزکیہ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے پائے۔

حضرت شیخ جیلانی بلکہ ان کے مرید با اختصاص اور بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک کی تصانیف میں یہ اسلامی عنصر قائم اور یہی رنگ غالب ہے۔ اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربی کے اثر سے نظام تصوف میں فلسفیانہ عنصر کو غلبہ حاصل ہونے لگا۔ وحدت وجود وغیرہ کے مسائل پیدا ہونے لگے اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی۔ چنانچہ مثلاً جامی کی لوائح (جیسا کہ آگے چل کر اسی کے ترجمہ کے ذیل میں ظاہر ہوگا) ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہو چکا تھا، ان رسم پرستیوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا جن پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندو [illegible] اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے جس کے دو ایک جز اسلامی بھی پائے جاتے ہیں اور وہ بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں۔ حاشا و کلا یہ اسلامی [illegible]۔ اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] و علی رضی اللہ عنہ کا تھا، جو سلمان و ابوذر کا تھا، جس کی [illegible] اویس و ابراہیم ادہم نے کی، جس کی ہدایت شیخ جیلانی و شیخ سہروردی و خواجہ اجمیری و محبوب دہلوی، خواجہ نقشبند و مجدد سرہندی کرتے رہے اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی [illegible] دیتے رہے۔

خواجہ معین الدین اجمیریؒ سلسلہ چشتیہ کے مسلّم مقتدائے بزرگ گزرے ہیں۔ ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا فراہم کیا ہوا شائع ہو چکا ہے رسالۂ مذکور اوّل سے آخر تک نماز و عبادات کی تاکید اور اتباع سنّت رسولؐ کے فضائل سے لبریز ہے۔ وضو وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ آج اکثروں کو فرائض میں اس کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابل ذکر بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش وصوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم متشرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک اور گوہر درخشاں خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ دہلوی تھے جن کے ملفوظات میں سب سے زیادہ معتبر رسالہ فوائد الفواد مرتبہ (امیر حسن علاء سجزی) اور حالات و سوانح میں رسالہ سیر الاولیاء (مرتبہ میر خوردؒ دہلوی) موجود ہیں۔ ان رسائل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"بندہ را پیش طلبید و فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و عبادت باشی۔"
صفحہ ۲۴ (فوائد الفواد مطبوعہ نولکشور)

"حکایت جماعت متحیراں افتاد...... یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم و ایں چنیں ہشت کس را دیدم دو چشم در آسمان داشتہ۔ شب و روز متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقت نماز درمی آمد، ایشاں نماز می گزاردند و باز ہمچناں متحیر می ماندند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیاء معصوم اند و اولیاء محفوظ ہمچنیں باشد کہ گفتی۔ اگرچہ شب و روز متحیر باشند۔ امّا نماز ایشاں فوت نہ شود۔ (صفحہ ۱۴۲ ایضاً)

"چوں عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید۔ پنج وقت نماز بجہت جماعت از بالائے بام جماعت خانہ کہ عمارتے بس رفیع است فرود آمدے و با درویشاں و عزیزاں کہ در آں جمع ملکوت حاضر می شدند نماز

گزار دے (سیرالاولیا، صـ۱۲۴)

اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں صحیح تصوف اسلامی کا نمونہ تھیں۔ تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی۔

عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندیؒ پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف میں تجدید و اصلاح کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے۔ شیخ موصوفؒ کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہوچکے ہیں۔ ان میں شروع سے آخر تک مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں صرف ایک ہی دعویٰ کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے، اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد و اعمال ہر شے میں کتاب و سنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہیے اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہوں انہیں مردود سمجھنا چاہیے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"بدانکہ از جملہ ضروریات طریق سالک اعتقاد صحیح است کہ علمائے اہل سنت آں را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند........ و اگر بالفرض خلاف آں معانی مفہومہ بکشف و الہام امرے ظاہر شود، آں را اعتبار نباید کرد، و از آں استعاذہ باید نمود" (مکتوبات مجددی حصہ ۵ دفتر ۲ مطبوعہ امرتسر)

"شریعت را صورتے است و حقیقتے، صورتش آنست کہ علماء ظواہر بہ بیان آں متکفل اند و حقیقتش آں کہ صوفیہ علیہم بآں ممتاز اند۔" (حصہ ۳ صـ۵)

"آنچہ بر ما فقیراں لازم است دوام ذل است و افتقار و انکسار و تضرع و التجاء و اداء وظائف عبودیت و محافظت حدود شرعیہ و متابعت سنت سنیہ" (حصہ ۳ صـ۶)

"ولایت را درجات اند بعضہا فوق بعض، زیرا کہ ہر قدم ... است مخصوص بآں و اقسام درجات آں بحسب ... "

پیغمبر ماست ...... و ازیں مقام عزیز الوجود نصیب کامل وعظ وا ف
حاصل است مہر کمل تابعانِ آں سرور ما علیہ الصلوٰۃ والسلام پس لازم گہ
متابعتِ آں حضرت راصلعم اگر شمایان تحصیل ایں دولت قصوی و تکمیل ایں د
علیا متوجہ اید (حصہ اول ص ۲)

"محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین است ۔ ہرچہ کہ خوب
مرغوب است از برائے مطلوب ومحبوب است ۔ لہذا حق سبحانہ تعا
در کلام مجید خود می فرماید ۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ و نیز می فرماید تعا
تقدس اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ و نیز
تعالیٰ و تقدس اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُو
او را علیہ الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم خوانده وما سواے او را داخ
سبل گردانیده و اتباع آں منع فرموده ...... باطن متمم ظاہرات و مکم
آں ۔ سر موئے بایکدگر مخالفت ندارد ...... پس سالکانِ سبل طریقہ
وحقیقت را اگر در اثناے راه اموریکہ بظاہر با شریعت در جنگ اند ظا
شوند و ظاہر سازند مبنی بر سکر وقت و غلبہ حال است ۔ اگر از آں مقا
گزرانند و بہ صحو آرند ۔ آں منافات بالکلیہ مرتفع می شود و آں علوم متضاد
بہ تمام ہبا منثورا می گردند" (ایضاً حصہ ۲ ص ۳۰۲)

مکتوبات مجددی کی ایک ایک سطر اسی تعلیم محمدی سے لبریز ہے ۔ دوسرا
دعوت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی مختلف تصنیفات وصایا، القول الجمیل، حجۃ
فوز الکبیر وغیرہ کے ذریعہ سے پیش کی ۔ خداے پاک و برتر اس حقیر خدمت کو قبو
اور دورِ حاضر کے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصوف کے سمجھنے اور اس کے اختیار کرنے
نصیب کرے ۔

عبدالماجد

دریاباد ۔ بارہ بنکی
۲۱ ۔ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

باب

کتاب اللمع

(از شیخ ابوالنصر سراجؒ)

ا۔ مصنف[1]

پورا نام عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابوالنصر سراج تھا، لقب طاؤس الفقراء، وطن طوس تھا، مرقد بھی یہیں ہے۔ آبا و اجداد زہد میں شہرت رکھتے تھے۔ کان ابوالنصر من اولاد الزہاد (تاریخ الصوفیہ للسلمی)

خود سراج علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ کان المنظور الیہ فی ناحیتہ فی الفتوۃ و لسان القوم مع الاستظہار بعلم الشریعۃ و ہو فقیہ منا نحن الیوم (ایضاً) "در فنون علم کامل بود" (تذکرۃ الاولیاء عطار)

ماہ رجب ۳۷۸ھ (اکتوبر یا نومبر ۹۸۸ء) میں بحالت نماز میں وفات پائی۔ ایک روایت مشہور کے مطابق وفات سے قبل فرمایا کہ میری میت کو میرے مزار کے سامنے سے لے کر نکلیں گے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ صدیوں بعد تک تذکرہ نویسوں [illegible] طوس میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ جنازہ کو پہلے ان کے مزار [illegible]

استادوں میں جعفر الخلدی (المتوفی ۳۴۸ھ) [illegible]

---

[1] ماخذ: تذکرۃ الاولیاء، عطار، ۲ جلد (مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷)، نفحات الانس، جامی [illegible] سفینۃ الاولیاء، شہزادہ دارا شکوہ (لکھنؤ ۱۸۷۲)، مقدمہ کتاب اللمع [illegible]

۵۔ کشف المحجوب، شیخ علی ہجویری [illegible]

۳۶۰ھ) اور احمد بن محمد سایح سے ملے گئے ہیں۔ بیعت کی روایت ابو محمد مرتعش نیشاپوری سے کی گئی ہے۔ ان کا سالِ وفات ۳۲۰ھ ہے۔ ان کا ذکر تو کتاب میں کوئی پانچ بار آیا ہے۔ لیکن ان کے مرشد ہونے کا کہیں اشارہ نہیں۔ ملاقات سری سقطی اور سہل تشتری سے بیان کی گئی ہے۔ گو اول الذکر کا سال وفات ۲۵۳ھ اور آخر الذکر کا ۲۸۳ھ ہے واللہ اعلم۔

تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ملا جامی کے الفاظ ہیں " وے را تصانیف بسیار است" (نفحات الانس) لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی بظاہر موجود نہیں بلکہ ان کے نام تک بھی معلوم نہیں۔

تصوف و معرفت میں جو پایہ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شیخ فرید الدین عطارؒ جو خود شیخ الکل کا حکم رکھتے ہیں، ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" آں عالم عارف، آں حاکم خائف آں امین زمرۂ کبرا، آں نگین حلقۂ فقرا، آں زبدۂ امشاق، شیخ ابو النصر سراج رحمۃ اللہ علیہ امامے برحق بود و یگانۂ مطلق و متعین و متمکن و اورا طاؤس الفقراء گفتندے و صفت و نعت او نہ چنداں ست کہ در نقل و بیان آید و یا در عبارت و زبان گنجد و در فنون علم کامل بود و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت، و در حال و قال و شرح دادن بہ کلمات مشایخ آیتے بود"

ایسے ہی الفاظ جامی وغیرہ بھی لائے ہیں۔

چند ارشادات و واقعات جو تذکروں میں محفوظ رہ گئے ہیں اُن سے بھی اہلِ ذوق ان کے مرتبۂ کمال کو کچھ نہ کچھ تو جان ہی سکتے ہیں۔

فرماتے تھے عشق اس آگ کا نام ہے جو عاشقوں کے دل اور سینہ میں جلتی رہتی ہے اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے اُسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

یہ بھی ارشاد تھا کہ بہ لحاظ ادب انسانوں کے تین طبقے ہیں: ایک طبقۂ اہلِ دنیا کا کہ اس کے نزدیک ادب، فصاحت و بلاغت و حفظ علوم و فنون و اسماء و ملوک و

اشعار عرب کا نام ہے۔ دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے۔ اس کے نزدیک ادب سے مراد عبادت جوارح و حفاظت حدود و ترک شہوات و ریاضت نفس ہے۔ تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے۔ اس کے ہاں ادب سے مفہوم، طہارت قلب، مراعات سِر، وفائے عہد، نگہداری وقت، نیکو کرداری رعایت حضور و مقام قرب ہے۔

ایک تیسرا ارشاد ہے، اسے اصل فارسی ہی میں سنیے۔ الفاظ کی نزاکت شاید اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہو سکے:

"نسبت بخدا است و از خدا و برائے خدا است، و آنانکہ در نماز افتد از نیت افتد و اگرچہ بسیار بود آں را موازنہ نتواں کرد با نسبتے کہ خدا را بود و بخدائے بود۔"

ایک بار ماہ رمضان میں بغداد میں وارد ہوئے اور مسجد شونیزیہ کے ایک حجرہ میں معتکف ہوئے۔ درویشوں نے متفق ہو کر نماز میں اپنا امام بنایا۔ ماہ مبارک کی تراویح میں پانچ بار قرآن مجید پڑھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حافظ قرآن اور تراویح میں سنانے کے عادی تھے۔ روزانہ افطار کے وقت خادم ایک روٹی حجرہ میں پہنچا آتا تھا۔ عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے۔ خادم نے حجرہ میں جا کر دیکھا تو پوری روٹیاں جوں کی توں رکھی ہوئی پائیں۔ خدا معلوم کیا کھا کر پورا رمضان گزارا۔

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں شب کے وقت آتشدان کے قریب تشریف فرما تھے۔ چند اور اہل دل حضرات بھی تھے۔ گفتگو معرفت الٰہی پر ہو رہی تھی۔ دفعتاً شیخ پر ذوق کی کیفیت طاری ہوئی اور جوش میں آ کر جلتی ہوئی آگ میں سجدہ میں گر پڑے۔ مریدین خوفزدہ ہو کر [illegible] چلے گئے۔ دوسرے روز آئے تو دیکھا، چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے اور [illegible] تکلیف یا [illegible] نہیں [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] جل گیا [illegible] ہو [illegible] اس [illegible] پہنچ [illegible] پہنچ کو آگ نہیں جلا سکتی۔

[illegible]

کر دی گئیں۔

شیخ نے معلوم ہوتا ہے سیاحی خوب کی تھی اور ممالک اسلامیہ کے دور دراز علاقوں کے سفر کر ڈالے تھے۔ کم از کم اتنے مقامات کے نام تو اسی کتاب میں مل جاتے ہیں بصرہ، ربذہ، مکہ، بغداد، رملہ، دمشق، انطیوخ، قاہرہ، بیت المقدس، بسطام، تستر، تبریز۔ گویا حجاز، ایران، عراق، شام، مصر، طرابلس، ایشیائے کوچک کے سفروں میں تو شبہ ہی نہیں۔

۲۔ تصنیف

یہ علم تو نہیں کہ کتاب کس سنہ میں .... تصنیف ہوئی۔ لیکن مصنف کا سن وفات ۳۷۰ھ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے وسط کی پیداوار ہے اور اس لیے اس کا شمار بجا طور پر تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے۔

آج سے ۴۰ سال قبل دنیا کتاب اللمع کے صرف نام سے آشنا تھی۔ ۱۹۰۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) کے استاد فارسی اور عاشق کتب تصوف ڈاکٹر نکلسن نے دو قلمی نسخے کھوج نکالے۔ ایک نسخہ ۳۰۴ھ کا لکھا ہوا اور دوسرا ۴۰۲ھ کا۔ پانچ سال کی دیدہ ریزی کے بعد دو نسخوں کا مقابلہ کر کے پروفیسر موصوف نے اصل کتاب کو نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء میں شائع کر دیا اور متعدد مفید اضافے بھی کیے، مثلاً شروع میں مفصل فہرست مضامین، آخر میں مبسوط فہرست رجال و نساء، اماکن و قبائل و کتب وغیرہا اور بہ کثرت حواشی، اور انگریزی میں ملخص ترجمہ وغیرہ۔

ان معنوی خصوصیات کے ساتھ کاغذ، طباعت وغیرہ کے حسن ظاہری کے لوازم کو بھی ملحوظ رکھا اور کتاب لیڈن کے بریل (BRILLE) پریس سے چھاپ کر کے شائع کر دی۔ کتاب کا پورا نام کتاب اللمع فی التصوف ہے، ملا جامی نے نام کا املا کتاب اللمعہ (باضافہ ہائے ہوز) درج کیا ہے لیکن اصل کتاب کے نسخوں میں یہی املا ہے۔

کتاب کی ضخامت ۴۳۶ صفحے کی ہے، اور ایک مقدمہ اور ۱۳ حصوں میں تقسیم ہے۔

مقدمہ (صفحات ۳۰) اسی قسم کے مباحث پر شامل ہے:

باب البیان عن علم التصوف،

باب فی نعت طبقات اصحاب الحدیث،

باب الکشف عن اسم الصوفیہ،

باب اثبات علم الباطن۔

باب التصوف ما ہو۔

باب التوحید وصفۃ الموحد،

ان ضروری تمہیدی اور تعارفی مسائل کے بعد کتاب بالکل صحیح منطقی ترتیب کے ساتھ حسب ذیل حصوں میں تقسیم ہوتی ہے:

(۱) کتاب الاحوال والمقامات (صفحات ۔۔)

"حال" اور "مقام" صوفیہ کے ہاں کی بڑی اہم اصطلاحیں ہیں، چنانچہ اس حصہ میں مقامات احوال اور ان کے حقائق پر سے بہت پر الگ الگ ایک ایک باب میں بحث کی گئی ہے مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبۃ، باب حال الشوق، باب حال المشاہدۃ وقس علی ہذا۔

(۲) کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ (صفحات ۱۲)

مبادی کی تشریح کے بعد آتا ہے کتاب اللہ ۔۔۔ اور ۔۔۔ کے تحت یہ اسی قسم کے ابواب ہیں:

باب الموافقۃ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین، باب ۔۔۔ فی باب وصف ارباب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر السابقین والمقربین والابرار من طریق الفہم والاستنباط وغیرہا۔

(۳) کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صفحات ۴۲)

کتاب اللہ کے بعد سنت ۔۔۔ اتباع آتا ہے اور یہی ہوا اس سے

تحتانی عنوانات اس قبیل کے ہیں۔

باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقۃ والاتباع لسنۃ النبی، باب ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ التی اختارہا اللہ تعالیٰ، باب ما ذکر عن المشائخ فی اتباعہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتخصیصہم فی ذالک وغیرہا۔

(۴) کتاب المستنبطات (ص ۱۰۵ تا ص ۱۱۸)

قرآن وحدیث یا کتاب وسنت کے نصوص کے بعد ایک مومن کے لیے ترتیباً ان احکام وشعائر کا ذکر آنا چاہیے جو انہی پر مبنی، متفرع یا انہی سے ماخوذ ومستنبط ہوں، چنانچہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق یہ حصہ مرتب ہے۔ اس کے ذیل میں اسی قسم کے مباحث مندرج ہیں۔

باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحۃ فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقائق فی معانی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم وغیرہا۔

(۵) کتاب الصحابۃ رضوان اللہ علیہم (ص ۱۱۹ تا ۱۴۰)

رسول کے بعد ایک مومن کے لیے مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرامؓ کی ہیں اور قدیم صوفیہ کرام سنت نبوی کے بعد آثار صحابہ ہی کو اپنے لیے دلیلِ راہ جانتے تھے۔ اس لیے قدرۃً ایک مستقل حصہ اُن کی نذر ہے۔ اس کے ذیلی ابواب میں خلفاے اربعہؓ پر، اصحاب صفہ پر، عام اصحاب نبوی پر، سب پر الگ الگ گفتگو ہے اور حضرت صدیقؓ کا تذکرہ تخصیص وتفصیل دونوں کے ساتھ ہے۔

(۶) کتاب آداب المتصوفہ (ص ۱۴۱ تا ۲۱۰)

اس کے تحتانی ابواب کے چند عنوانات یہ ہیں:

باب ذکر آدابہم فی الوضوء والطہارۃ۔ باب ذکر آدابہم فی الزکوۃ والصدقات۔ باب فی ذکر الصوم وآدابہم۔ باب ذکر آدابہم فی الحج۔

باب ذکر آدابہم عند مجاراۃ العلم ، باب ذکر من آدابہم فی وقت الطعام ، باب فی ذکر آدابہم فی وقت السماع والوجود ، باب فی ذکر آدابہم فی اللباس ، باب فی ذکر آدابہم عند الموت ۔

یہ حصّہ کتاب کے طویل ترین حصّوں میں سے ہے اور اس میں صوفیہ کے تمام آداب زندگی سے موت تک ، ہر ہر شغل اور وقت کے درج ہیں ۔

۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ (ص ۲۱۱-۲۳۱)

اس حصّہ میں صوفیہ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیے ہیں جن کا حل کرنا فقہاء اور علماء ظاہر کے لیے دشوار ہے ۔ مثلاً جمع و تفرقہ ، فناء و بقا ، مسئلہ صدق ، مسئلہ خلاص ، مسئلہ روح ۔

اس حصّہ کو مختلف ابواب میں تقسیم نہیں کیا ہے ، بیان مسلسل ہے ۔

۸) کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل (ص ۲۳۲-۲۶۶)

اس حصّہ میں (جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے) حضرات صوفیہ کے مکتوبات ، رسائل ، اشعار ، دعوات و وصایا کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کو ایک ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے ۔

۹) کتاب السماع (ص ۲۶۶-۲۹۹)

صوفیہ اور علماء ظاہر کے درمیان اور خود صوفیہ میں باہم ایک امر اختلافی موضوع سماع ہے ۔ یہ حصّہ اسی مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لیے وقف ہے ۔ اس کے ماتحت یہ عنوانات یہ ہیں :

باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین ، باب فی سماع العامۃ واباحۃ ذلک ، باب فی وصف سماع الخاصۃ وتفاضلہم فی ذلک ، باب فی ذکر طبقات المستمعین ، باب فی وصف سماع المریدین المبتدئین ، باب فی وصف نفوس الخصوص واہل الکمال فی السماع ۔

۱۰) کتاب الوجد (ص ۳۰۰-۳۱۲)

وجد و حال بھی تصوف کا ایک جزو شروع سے سمجھا گیا ہے۔ اس حصہ کے مباحث کا

اندازہ ابواب تیرہ ہی کے ان عنوانات سے ہوگا:

باب فی ذکر اختلافہم فی ماہیۃ الوجد [illegible] باب فی صفات الواجدین

باب فی ذکر تواجد المشائخ الصادقین، باب فی الواجد الساکن والواجد

المتحرک۔

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات (صفحہ ۳۱۹-۳۴۲)

کراماتِ اولیاء کا صحیح مفہوم، ان کے اثبات کے دلائل، معجزات انبیاء سے ان کا

فرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے، اور وہ اس حصہ میں آگئے۔ عنوانات ابواب حسب

ذیل ہیں:

باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات

للاولیاء، باب فی ذکر مقامات اھل الخصوص فی الکرامات۔

(۱۲) کتاب البیان عن المشکلات (صفحہ ۳۴۳-۳۷۴)

اس حصہ میں کل دو باب ہیں۔ پہلے باب میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جو صوفیہ

کی زبان میں مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہیں۔ مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، مشاہدہ،

سر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید وغیرہا اور دوسرے باب میں ان اصطلاحات کی

تشریح کی ہے۔

(۱۳) کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع و باطنہا صحیح مستقیم

(صفحہ ۳۷۵-۴۴۴)

یہ کتاب کا آخری حصہ ہے جو حصۂ ہفتم کی طرح پوری طرح تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

اس میں شطحیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح ہے۔ نیز ان غلط فہمیوں کی اصلاح جن میں اکثر علمائے

ظاہر و صوفیۂ ناقص مبتلا رہتے ہیں۔ چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں:

باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم و بیان ما یشکل علی فہم

العلماء من علوم الخاصۃ وتصحیح ذلک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات

یحکی عن ابی یزید ۔ باب فی ذکر ابی الحسن النوری ۔ باب فی ذکر من غلط فی الاحوال ۔ باب فی ذکر من غلط فی فنا ۔ البشریۃ ۔ باب فی ذکر من غلط فی الانوار ۔ باب فی ذکر من غلط فی الروح وغیرہا۔

عنوانات ہی پر ایک سرسری نظر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہیں مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نظرانداز نہیں ہونے دیا ہے ہر ضروری شعبہ کو لیا ہے اور اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے۔ زبان و انداز بیان میں بھی خاص سلاست و سادگی ہے۔ یہاں تک کہ جو راقم سطور کی طرح عربی زبان میں مبتدی ہیں وہ بھی مطالب کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اب ذیل میں کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباسات دیے جاتے ہیں جن سے طرز تصنیف اور نوعیت مسائل دونوں کا پورا اندازہ ہو سکے گا۔

پہلا سوال ایک غیر صوفی کے دل میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف آخر ہے کیا شے؟ اور اسلام نے آیا تصوف اور صوفیہ کا کوئی مرتبہ تسلیم کیا ہے؟ حضرت مصنف اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (آل عمران ، آیت ۹) پیش فرماکر لکھتے ہیں۔

ذکر اللہ تعالیٰ افضل المومنین	اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے بلند
عندہ درجۃ واعلاھم فی الدین	و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولی العلم
مرتبۃ فذکرھم بعد ملئکتہ	اور قائمین بالقسط ہیں اور ملائکہ کے بعد
وشہد علی شہادتہم لہ بالوحدانیۃ	انہی کی شہادت پیش کی ہے چنانچہ
بعد ما بدأ بنفسہ وثنی بملئکتہ	فرمایا شہد اللہ [illegible]
فقال عز وجل شہد اللہ انہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علما [illegible]
لا الٰہ الا ھو والملئکۃ	جانشین انبیاء [illegible]
اولوا العلم قائما بالقسط	القاب [illegible]
وروی عن النبی صلعم	کے حق میں وارد ہوئے ہیں [illegible]

انه قال العلماء ورثة الانبياء
وعندي والله اعلم ان اولى
العلم القائمين بالقسط الذين
هم ورثة الانبياء هم المعتصمون
بكتاب الله تعالى المجتهدون
في متابعة رسول الله صلعم
المقتدون بالصحابة و
التابعين السالكون سبيل
اولياءه المتقين وعباده
الصالحين هم ثلثة اصناف
اصحاب الحديث والفقهاء
والصوفية فهؤلاء الثلثة
الاصناف من اولو العلم
القائمين بالقسط الذين
هم ورثة الانبياء (ص٥)

کا رشتہ مضبوط تھامنے والے اور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت
کے پورے کوشاں اور صحابہ اور
تابعین کے نقش قدم پر چلنے والے
اور اللہ کے اولیاء متقین وصالحین کی
راہ اختیار کرنے والے ہیں اور ایسے
اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا
جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ ارباب حدیث
کا ہے، دوسرا فقہاء کا اور تیسرا
صوفیہ کا۔ بس یہی طبقات سہ گانہ
اولوا العلم اور قائم بالقسط کے جانے
کے مستحق ہیں جو انبیاء کے جانشین
ہوتے ہیں۔

بہت سے امور تو صوفیہ اور محدثین وفقہاء کے درمیان مشترک ہی ہوتے ہیں، جو عقائد ان کے ہوتے ہیں وہی ان کے بھی کتاب اللہ اور سنت نبوی کی پیروی یہ اور وہ دونوں اپنے لیے واجب سمجھتے ہیں۔ علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی کام لیتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔

ثم انهم من بعد ذلك
ارتقوا الى درجات عالية و
تعلقوا باحوال شريفة و
منازل رفيعة من انواع

لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ
انواع عبادات، حقائق طاعات
اور اخلاق جمیلہ سے جن درجات عالیہ
اور منازل رفیعہ کو طے کرنے گئے ہیں

العبادات وحقائق الطاعات والاخلاق الجمیلة ولهم فی معانی ذلك تخصیص لیس بغیرهم من العلماء والفقهاء واصحاب الحدیث۔ (ص۱۱)

وہاں تک علماء ظاہری اور فقہاء اور اصحاب حدیث کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔

صوفیہ کے امتیازی خصوصیات جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں
ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے۔ غیر اللہ سے وہ کسی صورت بھی دل نہیں لگاتے اُن کی لو صرف اللہ سے لگی رہتی ہے۔

اول شئ من الخصیصات للصوفیة ... ترك ما لا یعنیهم وقطع كل علاقة تحول بینهم وبین مطلوبهم مقصودهم اذ لیس لهم مطلوب ولا مقصود غیر اللہ تعالیٰ۔ (ص۱۱)

صوفیہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کا مطلوب ومقصود تمامتر اللہ ہی ہوتا ہے۔ ماسوا اور لایعنی شغلوں سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔

اس کا لازمی اثر ان کی عملی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ:

فمن ذلك القناعة بقلیل الدنیا عن كثیرها، والاكتفاء بالقوت الذی لا بد منه، والاختصار علی ما لا بد منه من متعة الدنیا من الملبوس والمفروش والمأكول وغیر ذلك، واختیار الفقر علی الغناء اختیاراً، ومعانقة القلة، ومجانبة الكثرة، وایثار

قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں قلیل دنیا پر ... رہتے ہیں ... لباس ... [illegible]

الجوع على الشبع والقليل على الكثير وترك العلو والرفع وبذل الجاه والشفقة على الخلق والتواضع للصغير والكبير۔ (ص۱۱)

وہ پسند کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے؟ اور یہ ہوتا ہے کہ:

حسن الظن بالله والاخلاص في المسابقة الى الطاعات والمسارعة الى جميع الخيرات والتوجه الى الله تعالى والانقطاع اليه والعكوف على بلائه والرضا عن قضائه والصبر على دوام المجاهدة ومخالفة الهوى ومجانبة حظوظ النفس والمخالفة لها اذ وصفها الله تعالى امارة بالسوء والنظر اليها بانها اعدى عدوك التي بين جنبيك كما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ص۱۱-۱۲)

اللہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ تمام علائق و اسباب سے قطع نظر کرکے صرف اس پر تکیہ رکھتے ہیں، نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کے ساتھ پیشقدمی و تیز روی کرتے رہتے ہیں۔ بلاء الٰہی پر صابر اور قضاء الٰہی پر راضی رہتے ہیں، مجاہدہ اور مخالفت خواہش نفس میں مشغول رہتے ہیں اور اسکو یاد رکھتے ہیں کہ کلام پاک میں نفس کو امّارہ بالسوء سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اُس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان

غرض ان کے تمام اوصاف و اخلاق سنّت نبویؐ و آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں اور گویا سب سے بڑا صوفی وہ ہے جو سب سے زیادہ اہل القرآن او متبع سنّت ہے۔

منکرین تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن اور احادیث نبویؐ کے سارے د

میں نہ کہیں تصوف کا ذکر آیا ہے نہ کہیں گروہ صوفیہ کا۔ اس لیے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت مصنف جن تصوف کے قائل ہیں اس کے تذکرے تو قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ و عبارات بکثرت آئے ہیں جن سے مراد اہل تصوف ہی ہیں۔ مثلاً صادقین و صادقات۔ قانتین و قانتات۔ خاشعین۔ موقنین۔ مخلصین۔ محسنین۔ خائفین۔ راجین۔ عابدین ذاکرین۔ صابرین۔ راسخین۔ متوکلین۔ مخبتین۔ اولیاء۔ مصطفین ابرار۔ مقربین۔ سابقین۔ مقتصدین۔ مسارعین فی الخیرات۔ مشاہدین (مثلاً اس آیت میں او القی السمع وھو شہید) اور مطمئنین (مثلاً اس آیت میں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب)

اسی طرح متعدد حدیثوں میں اس جماعت کی جانب اشارے صراحت کی حد تک آئے ہیں۔ مثلاً:

ان من امتی مکلمون و محدثون و ان عمر منہم۔	میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو صاحب الہام ہوں اور جن سے خدا کلام کرے گا اور عمر بھی انہی میں سے ہیں۔
یدخل بشفاعۃ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعۃ و مضر یقال لہ اویس قرنی۔	میری امت میں ایک شخص ایسا بھی ہوگا جس کی شفاعت سے لوگ جنت میں قبیلہ ربیعہ و مضر کی تعداد کی کثرت سے داخل کیے جائیں گے اس کا نام اویس قرنی ہوگا۔

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ عہد رسالت میں کسی شخص کو صوفی کے لقب سے نہیں یاد کیا جاتا تھا۔ یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے اس لیے اسے کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

مصنف نے اس کا معقول اور دلچسپ جواب یہ دیا ہے کہ:

فنقول و باللہ التوفیق الصحبۃ	اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مع رسول اللہ صلعم لہا حرمۃ	کے لیے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل
و تخصیص من شملہ ذالك فلا	ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ ان کے
یجوز ان تعلق علیہ	جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف واعظم
اسم علی انہ اشرف من الصحبۃ و	ان کی فضیلت صحابیت تھی کہ حضرت
ذلك لشرف رسول اللہ صلعم و	رسول تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے
حرمتہ الا تری انہم ائمۃ الزہاد	بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، فقر، توکل،
والعباد والمتوکلین والفقراء والراضین	عبادات، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ان
والصابرین والمخبتین وغیر ذلك	کے فضائل تھے، ان سب پر ان کا
وما نالوا جمیع ما نالوا الا ببرکۃ الصحبۃ	شرف صحابیت غالب تھا۔ پس جب
مع رسول اللہ صلعم فلما نسبوا	ان کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو
الی الصحبۃ التی ھی اجل الاحوال	اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی اور کوئی
ان یفضلوا بفضیلۃ غیر الصحبۃ التی	محل ہی باقی نہیں رہا کہ اسے صوفی یا
ھی اجل الاحوال (ص۲۲)	کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائے۔

رہا یہ اعتراض کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کی ہوئی متاخرین کی اختراع ہے، تو مصنف محقق کی تحقیق میں یہ قول بالکل غلط ہے، اس لیے کہ:

لان فی وقت الحسن البصری	یہ لفظ حسن بصریؒ کے زمانہ میں رائج
رحمۃ اللہ علیہ کان یعرف	تھا اور ان کا زمانہ بعض صحابیوں سے
ھذا الاسم وکان الحسن	معاصرت کا تھا چنانچہ ان کے اور
قد ادرك جماعۃ من اصحاب	سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ
رسول اللہ صلعم۔	صوفی استعمال ہوا ہے۔

بلکہ کتاب اخبار مکہ میں جو روایت محمد بن اسحٰق بن یسار وغیرہ سے ہے، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے

12-9600

کہ یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر ہی معروف تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لیے مستعمل تھا۔(۲)

آج جو مشائخ طریقت قیود شریعت سے آزاد رہنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں، انھیں یہ سن کر مایوسی ہوگی اور شاید حیرت بھی، کہ قدما۔ صوفیہ کے نزدیک طریقت و شریعت میں تخالف مطلق نہ تھا، بلکہ شریعت ہی کی تکمیل و اتمام کا نام طریقت تھا۔ حضرت مولف فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری و باطنی۔ جب تک اس کا تعلق زبان و اعضا سے ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کریں گے اور اس کا نام علم شریعت ہے مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، وغیرہ یا احکام میں طلاق، نوالنفس، قصاص وغیرہ۔ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہے، تو اسی کو علم باطن یا طریقت سے موسوم کر دیتے ہیں۔ اور یہاں عبادات و احکام کے بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں مثلاً تصدیق، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق وغیرہ اور اس تفریق دوگانہ کی سند قرآن مجید سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ باطِنَةً ۔ (لقمان، آیت ۲۰)

اس نے اپنی نعمتیں تمہارے اوپر پوری کیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔

دنیا میں ہر موجود کا ایک پہلو ظاہری ہے اور ایک باطنی۔ چنانچہ قرآن کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ کتاب اللہ و سنت رسول کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے۔ طریقت کتاب اللہ و سنت رسول سے الگ کوئی شے نہیں۔ بلکہ انھی کے مغز و باطن کا نام ہے۔ (صفحہ ۲)

لفظ تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولف سلام مختلف اقوال نقل کر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا۔ کثرت استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا۔

ابوالحسن نوری کا خیال تھا کہ صوفی صفات سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے۔ ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے کہ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق سے اہل و اصحاب صفہ تھے وہ صوفی کہلاتے ہیں۔ ایک اور بزرگ کی رائے میں ان لوگوں کا لباس زیادہ تر پشمینہ صوف کا ہوتا اسلام کی

تقلید میں صوف (پشمینہ) کا ہونا تھا۔ اس لیے یہ صوفی کہلائے۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحابِ صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔ وقس علی ھذا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے، قرآن میں اتباعِ سنت نبوی کا حکم صاف الفاظ میں آیا ہے۔ و ان تطیعوا تھتدوا (نور: آیت ۵۴) ابو عثمان سعید الحیری کا مقولہ تھا کہ جو شخص سنت نبوی کو قولاً و فعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے۔ اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلے گی۔ حضرت بایزید بسطامی نے اللہ سے دعا کرنی چاہی کہ گرسنگی اور شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہیں کہ معاً انھیں یہ خیال آگیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ایسی دعا نہیں کی تو میں کیونکر کر سکتا ہوں۔ یہ خیال کرکے وہ اس دعا سے باز رہے۔ اس احترام زنبر رسالت کا صلہ انھیں یہ ملا کہ عورت کی خواہش ہی ان کے دل سے جاتی رہی۔ ذو النون مصریؒ کا قول تھا کہ اللہ کو تو میں نے اللہ کے ذریعے سے پہچانا۔ باقی اور سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے۔ سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے تھے کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنت رسول نہ دیں وہ باطل ہے اور اسی کے قریب قریب قول ابو عثمان دارانی کا ہے۔ حضرت شبلیؒ مرض الموت میں مبتلا تھے، نزع کا وقت تھا گویائی کی قوت جواب دے چکی تھی، ایک خادم وضو کرا رہا تھا، داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر داڑھی میں خلال کرائی کہ سنت رسول کا کوئی جزو فروگذاشت نہ ہونے پائے۔ صوفیہ متقدمین کے یہ سارے اقوال و اعمال ایک مستقل باب میں جمع ہیں (صفحہ ۱۰۳-۱۰۱)۔

مسائل تصوف، مسائل فقہ کی طرح تمام تر کتاب اللہ و سنت رسولؐ ہی سے مستنبط و ماخوذ ہوتے ہیں۔ اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو مصنف علام نے بیان کی ہے اور اس قابل ہے کہ اسے بجنسہٖ نقل کر دیا جائے، ترجمہ صرف خلاصۃً درج کیا جائے گا:

المستنبطات ما استنبط اهل الفهم من المحققين بالموافقة لكتاب الله عزوجل	استنباط کا حق ان محققین و ارباب فہم کو پہنچتا ہے جو ظاہر و باطن

ظاهراً و باطناً و المطابقة للرسول الله
صلعم ظاهراً و باطناً و العمل بها بظواهرهم
و بواطنهم فلما اعملوا بما علموا من ذلك
ورثهم الله تعالیٰ علم ما لم یعلموا وهو
علم الاشارة وعلم مواریث الاعمال
التی یکشف الله تعالیٰ القلوب اصفیائه
من المعانی المذخورة واللطائف والاسرار
المخزونة وغرائب العلوم وطرائف الحکم
فی معانی القرآن و معانی اخبار رسول الله
صلعم من حیث احوالهم و اوقاتهم و
صفاء اذکارهم قال الله تعالیٰ " افلا
یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالها
وقال النبی صلعم من عمل بما علم
ورثه الله تعالیٰ اعلم ما لم یعلم وهو
العلم الذی لیس لغیرهم ذلك من اهل
العلم و اقفال القلوب ما یقع علی القلوب
من الصداء الکثرة الذنوب و اتباع
الهوی و محبة الدنیا وطول الغفلة
و شدة الحرص وحب الراحة و
حب الثنا . والحمدة وغیر
ذلك من الغفلات و الزلات والمخالفة
والخیانات واذا کشف الله تعالیٰ ذلك
عن القلب بصدق التوبة و الندم

ہر طرح کتاب اللہ و سنت رسول
کے متبع ہوتے ہیں ، یہ لوگ
جب عرصہ تک اپنے علم و معلومات
کے مطابق عمل کرتے رہتے
ہیں ، تو اللہ انھیں وہ علم بھی
دے دیتا ہے جو پیشتر انہیں
نہ تھا ، اور یہ علم انہی کے ساتھ
مخصوص رہتا ہے ، وہ ان کے
نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں
جلا پیدا کرتا ہے ، اور کثرت
معاصی و شہوات ، حب جاہ ،
حرص ، طمع ، خود پسندی وغیرہ
سے جو زنگ اوراق قلب پر
جما ہوتا ہے ، وہ دُھل جاتا ہے
اس وقت ان پر اسرار غیب
منکشف ہو جاتے ہیں ، اور
اُن کی زبانیں حقائق الٰہیہ کی
ترجمانی کرنے لگتی ہیں ۔

علی الحوبۃ فقد فتح الاقفال عن القلوب
واتته الزوایدو الفوائد من الغیوب
فیعبرعن زوائدہ وفوائدہ بترجمانہ
وھو اللسان الذی ینطق بغرائب الحکم
وغرائب العلم فاذا شرحوا ھذہ
النقط المریدون والقاصدون و
الطالبون من تلک الجواھر باٰذان
واعیۃ وقلوب حاضرۃ فعاشوا وانتفعوا
بذٰلک وانعشوا اھ (صت ۱۰۵-۱۰۶)

اس کے بعد مصنف علام قرآن مجید کی اس آیت واذا جاءھم امرٌ من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامرمنھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم سے یہ لطیف استدلال کرتے ہیں کہ اولی الامر یا اہل امر وہ ہیں جو حقائق دین کے جاننے والے ہیں، اور ان کے طبقہ میں بھی جنھیں امتیازی خصوصیت حاصل ہے وہ اہل استنباط ہیں۔

اُسوۂ رسولؐ کے بعد حضرات صوفیہ کے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان اسوۂ صحابہؓ ہے۔ اللمع کی کتاب الصحابہ ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے۔ صحابہؓ کی عام مدح و تکریم کے بعد اس باب کی پہلی فصل کا آغاز حضرت صدیقؓ کی ذات سے ہوتا ہے جو اعظم الخوف واعظم الرجا تھے۔ یعنی اللہ سے ڈرتے بھی بیحد تھے، اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بے حد رہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ:

لو نادیٰ منادٍ من السماء انہ	اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ جنت میں
لن یلج الجنۃ الا رجل واحد	بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل نہ ہوگا
ارجوت ان اکون انا ھو ولو	تو مجھے تو یہ امید پڑ جائے گی کہ وہ میں
نادیٰ منادٍ من السماء انہ	ہی ہوں گا اور اگر آسمان سے یہ ندا

لا یدخل النار الا رجل واحد	آئے کہ بجز ایک کے کوئی دوزخ میں
لخفت ان اکون انا هو (ح)	نہ ڈالا جائے گا تو میں اپنے ہی لیے ڈروں گا۔

ابو العباس بن عطاؒ سے جب آیہ کریمہ کونوا ربانیین کے معنی دریافت کیے گئے تو انھوں نے کہا کہ ابوبکرؓ کے مانند ہو جاؤ۔ حضرت صدیقؓ ہی وہ شخص تھے جنھوں نے سارا مال واسباب لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر کر دیا اور جب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے کچھ چھوڑا؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ اللہ اور رسول کو۔ سراج کہتے ہیں کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا۔ جو انسانی زبان سے ادا ہوا۔

حضرت صدیقؓ کی سب سے بڑی خصوصیات ایثار و فراست تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی نمایاں خصوصیات ترک شہوات، اجتناب شبہات اور تمسک بالحق تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی اہم خصوصیات تمکین، ثبات واستقامت تھیں۔ حضرت علیؓ اکثر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں۔ آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے۔ یہ وہی علم لدنی ہے جو حضرت خضرؑ کو عطا ہوا تھا۔ وعلمناہ من لدنا علما اور اسی کی بنا پر آپ نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ میری رفاقت نہ کر سکیں گے۔ انک لن تستطیع معی صبرا۔ اور یہیں سے بعض لوگوں نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے لیا ہے۔ حضرت علیؓ مراتب قرب، معرفت، ایمان، علم میں کامل ترین تھے۔ اور ان چاروں اصحاب رسولؐ کے آثار [illegible] کے لیے دلیل راہ ہیں۔

خلفائے اربعہ کے بعد قدرتاً اصحاب صفہ کا نمبر آتا ہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک جزو اہل طریقت کے لیے درس ہدایت ہے۔ یہ مقدس گروہ معاش و دنیوی کاروبار سے بیگانہ، بس شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار رہتا تھا۔ ان کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا اور نہ پہننے کا۔ اور ان کی زندگی فقر وفاقہ سے ساتھ تمام تر توکل پر [illegible]

اور عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی، اس جماعت کی مدح خود متعدد آیات قرآنی میں آئی ہے، مثلاً

للفقرآء الذین احصروا فی سبیل اللہ (بقرہ۔ آیت ۲۷۳)

و لا تطرد الذین یدعون ربّھم (انعام۔ آیت ۵۲)

اس حصہ کی آخری فصل میں عام صحابہؓ کی زندگی پر صوفیانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیہ کے لیے شمع ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اصحاب ذیل کے اسمائے مبارک اس حیثیت سے خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

طلحہ بن عبیداللہؓ، معاذؓ بن جبل، عمرانؓ بن حصین، سلمانؓ فارسی، ابو الدرداؓ، ابوذر غفاریؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح، عبداللہؓ بن مسعود، براءؓ بن مالک، عبداللہؓ بن عباس، کعبؓ احبار، حارثہؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ بن مالک، عبداللہؓ بن عمر، حذیفہؓ بن الیمان، عبداللہؓ بن جحش، اسامہؓ، بلالؓ، مصعبؓ بن عمیر، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حاکمؓ بن حزام، عبداللہؓ بن رواحہ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت سراج اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کرنے کے بعد زور ضرورت مرشد پر دیتے ہیں، اور اس ضمن میں گہرے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔ مبتدیوں کے ایک گروہ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ حصول مقصد کے لیے بہترین ذریعہ مخالفت نفس کا ہے، چنانچہ اپنی تجویز سے طرح طرح کے مجاہدے اپنے لیے اختیار کر لیتے ہیں، کبھی غذا بہت گھٹا دیتے ہیں، لذیذ غذائیں بالکل ترک کر دیتے ہیں، کبھی پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی آبادی سے نکل جنگل میں رہنا شروع کر دیتے ہیں، وقس علی ہذا۔ حضرت سراجؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے، انھیں اپنی رائے سے اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہے گا بلکہ اندیشہ مضرت کا ہے، مثلاً ترک غذا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان فرائض یومیہ، نماز پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکے گا۔ نفس امارہ کو زیر کر لینا اتنا آسان نہیں کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے، انسان تن تنہا یہ ہفتخواں طے کر لے جائے، خود رائی اس راہ میں خطرہ و ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے (ص ۴۱۷-۴۱۸) سارے اعمال و مجاہدات کے لیے مخصوص آداب و شرائط ہیں، بغیر

اُن کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے۔

متوسطین و متاخرین صوفیہ کے گروہ میں سماع کی بحث ایک بڑی اہمیت رکھتی ہے طریقت کے اس استادِ قدیم نے بھی اس پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے سب سے پہلے حسنِ صوت کو لیا ہے۔ اور اس کی مدح و توصیف میں متعدد احادیثِ نبوی نقل کی ہیں، مثلاً: زینوا القرآن باصواتکم یا ما بعث اللہ نبیا الا حسن الصوت یا لقد اعطی ابو موسیٰ مزماراً من مزامیر داود لما اعطی من حسن الصوت۔

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور متقدمین میں جو حضرات جوازِ سماع کے قائل گزرے ہیں، ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔ آگے چل کر ایک باب اباحت سماع عامہ کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ اس میں عبید بن بیت عائشہؓ میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے گانا سننے کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ اور دوسرے صحابیوں کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور مالکؒ بن انس، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن جعفر اور امام شافعیؒ سے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کا جو جواز منقول ہے ان سب کی سندِ جواز سے فائدہ اٹھایا ہے۔

سماع عامہ کے ضمن میں سامعین کے تین طبقے کیے ہیں: مبتدیین و مریدین، متوسطین وصدیقین، عارفین و اہلِ استقامۃ اور زمان، مکان و اخوان کی قید یا دو لانی ہے [illegible] یہ کہ مختلف ابواب میں مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤں کو لیا ہے اور ہر باب میں [illegible] تفصیل کی ہے اور جواز کے جو آداب شرائط وغیرہ ہیں ان سے کسی حال میں [illegible] برتا ہے۔ آخری باب میں اس گروہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو [illegible] سماع کا [illegible] اس کی کراہت کا قائل ہے۔

باب ۲

کشف المحجوب

(شیخ علی بن عثمان ہجویری)

۱۔ مصنّف[1]

پورا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے۔ ہندوستان میں شہرت عام عرف داتا گنج بخش سے ہوئی۔

وطن غزنی (افغانستان) تھا۔ ہجویر و جلاب دو قریے مضافات غزنی میں ہیں۔ قیام دونوں میں رہا۔ آخر عمر میں ہندوستان آکر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ یہیں انتقال کیا۔ یہیں مدفون ہوئے۔ اس ساری نقل و حرکت کے اظہار کے لئے نام کے ساتھ "غزنوی جلابی ہجویری لاہوری" کا ضمیمہ لگا ہوا ہے۔

سید حسنی تھے، شجرۂ نسب تذکروں میں یوں دیا ہے۔ علی بن سید عثمان بن سید علی بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن سیدنا حضرت حسنؓ بن سیدنا حضرت علی مرتضےٰؓ۔

بیعت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی سے تھی اور وہ شیخ ابوالحسن حصری کے مرید تھے۔ شجرۂ طریقت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔ دوسرے بزرگوں سے استفادہ

---

[1] (۱) نفحات الانس (جامی) (۲) سفینۃ الاولیاء (دارا شکوہ) (۳) خزینۃ الاصفیاء ۲ جلد (غلام سرور لاہوری، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ) (۴) مآثر الکرام (غلام علی آزاد بلگرامی مطبوعہ حیدرآباد) (۵) فوائد الفواد (از میر حسن علاء سجزی، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

کیا تھا۔ جا بجا ان کا ذکر اپنے قلم سے کرتے گئے ہیں اور اپنے ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ ابوالعباس احمد اشقانی کے ذکر میں ہے :

مرا با وے اُنسے عظیم بود و وے را	مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی
برمن شفقت صادق اندر بعضے علم	میرے اوپر دل سے شفقت رکھتے تھے اور
استاد من بود (کشف المحجوب صہ ۲۱۲)	بعض علوم میں میرے استاد تھے۔

ایک جگہ خواجہ ابو احمد مظفرؒ سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے اور ایک صوفیانہ مسئلہ کا بھی انکشاف کرتے گئے ہیں :-

روزے من اندر گرمائے گرم نزدیک	میں ایک دن ان کے پاس سخت گرمی
وے اندر آمدم با جامۂ راہ در ژولیدہ	کے موسم میں آیا مسافرانہ کپڑے پہنے ہوئے
وے مرا گفت یا اباالحسن ارادت	اور الجھے ہوئے بالوں کیساتھ مجھ سے پوچھا
حالی مرا بگوی تا چیست۔ گفتم مرا سماع	اس وقت کیا چاہتے ہو ؟ میں نے کہا سماع
می باید۔ اندر حال کس فرستاد تا قوالے	سنوا دیجئے۔ انہوں نے فوراً کسی کو بھیج کر
بیاورد و ندو جماعتے را از اہل عشرت	ایک قوال اور چند لوگوں کو بلا لیا۔
و آتش کودکی و قوت ارادت و حرکت	کم عمری کے جوش و شوق میں یہ سماع
ابتدا مرا اندر سماع کلمات مضطرب کرد	بہت ہی متاثر ہوا کچھ دیر بعد جب
چون زمانے برآمد و سلطان آن غلیان	میرا جوش و خروش ختم ہوا تو مجھ سے کہا
آن آفت اندر من کمتر شد مرا گفت	سماع کا اثر کیسا رہا ؟ میں نے جواب
چگونہ بود اثر این سماع۔ گفتم	دیا اے شیخ مجھے بہت ہی
ایہا الشیخ سخت خوش بودم۔ گفت تنبہ	اچھا تھا۔ فرمایا ایک وقت آئے گا
بباید کہ این و بانگ زاغ بہ دو ر	کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے
تر یکساں شود۔ قوت سماع تا آنگاہ	یکساں ہو جائے گی۔ سماع کی ضرورت
بود کہ مشاہدہ نباشد چوں مشاہدہ	اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ
حاصل آید ولایت سمع را نباید شود	پیدا نہیں ہوتا جب مشاہدہ حاصل

نگر تا این را عادت نہ کنی تا طبیعت نہ شود۔ (صفحہ ۱۲۳)

ہو جائیگا۔ شوق سماع جاتا رہیگا۔ لحاظ رکھو کہ کہیں یہ عادت پڑ کر جزو طبیعت نہ بن جائے۔

اسی طرح بعض دوسرے مشاہیر معاصرین سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ، شیخ ابو القاسم قشیریؒ، شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ وغیرہم سے ملاقاتوں کے دلچسپ تذکرے لکھے ہیں۔

اپنے شیخ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

زین استاد شیخ عباد ابوالفضل محمد ابن الحسن الختلیؒ اقتدائے من اندر طریقت بدوست۔ عالم بود بہ علم تفسیر و روایات۔ و اندر تصوف مذہب جنید داشت و مرید حصری بود و صاحب یزدانی و اقران ابو عمر قزوینی و ابوالحسن بن سالبہ بود و شصت سال بحکم عزلتے صادق بگوشہا اندر میگریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل لکام بودے۔ عمر نکو یافت وے را آیات و براہین بسیار بود اما لباس و رسوم متصوفہ نداشتی و با اہل رسم شدید بودے و من از وے ہرگز مہیب تر مردے نہ دیدہ بودم (صفحہ ۱۲۰)

ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ بزرگوں اور عابدوں کے سرتاج تھے۔ میں طریقت میں انہی کا مرید ہوں۔ علم تفسیر و روایات کے عالم تھے۔ اور تصوف میں جنیدؒ کے ہم مذہب حصری کے مرید تھے۔ اور یزدانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے۔ ساٹھ سال تک اپنے شہر کو شہرت خلق سے دور گوشہ نشینی اور گمنامی میں رکھا۔ قیام زیادہ تر کوہ لکام پر رہا۔ عمر اچھی پائی (ولایت کے) بہت سے ثبوت و شواہد رکھتے تھے۔ لیکن لباس اور آثار ظاہری صوفیہ کے سے نہ رکھے۔ جو لوگ رسوم صوفیہ کے پابند تھے ان سے اور درشتی برتتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ پُر رعب کسی کو نہیں دیکھا۔

حنفی المذہب تھے۔ امام ابو حنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا نام امام اماماں و مقتدائے سنیاں شرف فقہا و عز علماء کی حیثیت سے لیا ہے۔ اور ان کے کمالات کا بیان تفصیل سے کیا ہے۔ (صفحہ ۶۶ یا صفحہ ۶۹) اس ضمن میں اپنا ایک دلچسپ خواب بھی

تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں ملک شام میں تھا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ موذن رسولؐ کے مزار کے سرہانے سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود میں لئے ہوا ہو آپ ایک مسن شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ میں دوڑتا ہوا حضور میں پہنچا۔ پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ مسن شخص کون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہو گئی۔ ارشاد ہوا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ۔ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بڑی امیدیں وابستہ ہو گئیں۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بھی منکشف ہو گیا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے صفات اصلی سے فانی ہو چکے ہیں اور بعض احکام شرع کے لئے باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اگر میں انہیں خود چلتے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں اور باقی الصفات کے لئے خطا و صواب دونوں کا امکان ہے۔ لیکن چونکہ انہیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے۔ اور اب جو ان کا وجود قائم ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قائم ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں۔ اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے۔ وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔" ([illegible] ۶۶-۶۹)

سفر و سیاحت میں [illegible] آ رہے تھے۔ شام سے لے کر ترکستان تک [illegible] سے لے کر بحر قزوین تک یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی مملکت [illegible] ہے۔ آذربیجان۔ بسطام۔ دمشق۔ رملہ۔ بیت المقدس [illegible] سفر ناموں کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ ایک مرتبہ [illegible] سے [illegible] ہوتا ہے کہ معاش وافر تھی۔ اور اس کے ساتھ معارف کی بارش سے [illegible] آتی تھی اور یہ اس [illegible] کے ساتھ [illegible] تھے کہ ہر شخص کی حاجت روائی [illegible] ایک درویش کی بد حالت سے پریشان حالی سے [illegible] فرماتے ہیں:

وقتے من اندر دیار عراق اندر طلب
دنیا و فنا کردن آں تاباکی می کردم و دام
بسیار برآمدہ بود و حشو یہ ہر کسے را
کہ بایستے بودے روے بمن آوردہ
بودند و من در رنج حصول ہواے
شاں ماندہ بودم۔ سیدے از سادات
وقت بمن نوشت کہ اے پسر نکرتا
دل خود را از خدا مشغول نہ کنی بہ فراغت
وے کہ مشغول ہوا است پس اگر دلے
یابی عزیز تر از دل خود روا باشد
کہ بفراغت آں دل دل خود را مشغول
گردانی والا کہ دست ازآں کار بدار
کہ بندگان خدا را خدا بسندہ باشد
اندر وقت را بدیں سخن فرغتے
پدیدار آمد۔ (صفحہ ۴۶۹)

ایک بار میں حدود عراق میں دنیا کے حاصل
کرنے اور اس کے لٹا دینے میں بے طرح
مشغول تھا۔ اور بہت قرضدار ہو گیا تھا۔
جس کو جس چیز کی بھی خواہش ہوتی بس میری
ہی طرف رُخ کرتا۔ اور میں اس فکر میں رہتا
تھا کہ کیسے سب کی خواہش پوری کروں۔ کہ
شیوخ وقت میں سے ایک شیخ نے مجھے
لکھا کہ اے فرزند کہیں اپنے دل کو مشغول
خدا سے ہٹا کر اس کی طرف مشغول نہ کر
لینا جو مشغول ہوائے نفس ہے۔ ہاں اگر
کوئی ایسا شخص ملے جس کا دل تم سے برتر
ہو جب تو اس کی تشفی خاطر کرو ورنہ سب کے
لئے اپنا دل حیران و پریشان نہ کرو۔ اللہ خود ہی
اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔ بس اس
وقت سے میرے دل کو قرار آ گیا۔

قید ازدواج سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی۔ البتہ ایک مقام پر آپ یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقاتِ محبت قائم ہو گئے تھے۔ اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے۔ پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان اتنا مجمل تفصیلات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لکھا ہے کہ

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس
آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت
تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد
تا بفتنہ اندر افتادم ظاہر باطنم اسیر

مجھ علی بن عثمان جلابی کو اللہ نے گیارہ
سال تک تزویج کی مصیبت سے محفوظ
رکھا۔ اس کے بعد تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ میں
آزمائش میں پڑوں۔ چنانچہ بغیر شکل دیکھے

صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت
بودہ بود و یک سال مستغرق آں
بودم چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من
تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام
فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارۂ
من فرستاد بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت (صفحہ ۲۸۵)

محض دوسروں سے اوصاف سن کر میرا
ظاہر و باطن اسی کی طرف گرفتار رہا۔ یہاں
تک قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو
جائے۔ کہ حق تعالیٰ نے
کمال لطف و کرم سے میری
دستگیری کی۔

استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں نظر سے نہیں گزری۔ لیکن کشف المحجوب خود اس امر کا ایک واضح ثبوت ہے کہ اس کا مصنف علم باطن کے علاوہ علوم ظاہری پر بھی وسیع نظر رکھتا ہے۔ بعض تذکروں میں اجمالاً صرف اتنا ہے کہ "جامع بود میان علوم ظاہری و باطنی" اتنا تو یقیناً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بعض تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آئے تھے۔ اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے ایک ملفوظ میں تو ورود لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانی دونوں ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے۔ شیخ حسین زنجانی عرصہ سے لاہور میں سکونت رکھتے تھے۔ ایک روز شیخ علی ہجویری کو مرشد کا حکم ملا کہ لاہور میں سکونت اختیار کرو۔ عرض کیا وہاں تو شیخ حسین پہلے سے موجود ہیں۔ مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ۔ تعمیل کی۔ رات میں لاہور پہنچے۔ اسی شب میں شیخ حسین نے انتقال کیا۔ (صفحہ ۳۰)

ان روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا۔ کشف المحجوب سے کچھ ایسا پایا جاتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف اور مجبوری سے تھا جاتے ہیں۔

کتب من بحضرت غزنین ماندہ
بود و من اندر دیار ہند در بلدۂ
لاہور کہ از مضافات ملتان

میری کتابیں غزنی میں چھوٹ گئی
تھیں اور میں ہندوستان میں شہر لاہور
میں کہ مضافات ملتان میں سے

است درمیان ناجنسان گرفتار   ہے۔ نا جنسوں کے درمیان
شدہ بودم۔ (ص ۶۵)   گرفتار تھا۔

عام لقب جو گنج بخش چلا ہوا ہے۔ اس کی بابت روایت یہ ہے کہ خ
معین الدین حسن سجزی اجمیری نے آپ کے مزار پر آ کر حسب دستور صوفیہ چلہ کشی
فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رُخ کھڑے
یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا   کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

سال وفات سے متعلق اختلاف ہے۔ مزار پر جو قطعۂ تاریخ کندہ ہے
۴۶۵ھ درج ہے۔ دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ مزار لاہور میں سمت
واقع ہے۔ اب تو آبادی وہاں تک ہو گئی ہے پہلے شہر سے باہر تھا۔ اہل حاجت ہر
آتے جاتے رہتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کو مجمع زائد ہو جاتا ہے۔ عقیدت مندوں کا خیال ہے
چالیس روز متصل حاضری دی جائے یا چالیس جمعہ کی راتوں کو مزار کا طواف کیا جائے تو
آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔ زیارت ایک بار ۱۹۴۲ء / ۱۳۶۱ھ میں ان سطو
راقم آثم نے بھی کی ہے۔

تصوف و طریق پر کتابیں متعدد لکھیں۔ لیکن آج وہ ناپید ہیں۔ بلکہ تذکروں میں تو
نام تک بھی درج نہیں۔ سفینۃ الاولیاء وغیرہ میں اجمالی ذکر صرف اس قدر آتا ہے کہ
علی ہجویری را تصنیف بسیار است" لیکن نکلسن نے خود کشف المحجوب کے اند
کر ذیل کی کتابوں کا پتہ تو لگا ہی لیا ہے۔

۱۔ دیوان ۔ یکے آنکہ دیوان شعرم کسے برخاست" (کشف ص۱)

۲۔ منہاج الدین ۔ دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف، نام آن منہاج
"پیش ازیں کتابے ساختہ ام۔ مرآں را منہاج الدین نام کردہ اند۔ اندر وے م
داہل صفہ) یک یک بہ تفصیل آوردہ" (ص ۵) نیز اندر کتابے کہ کردہ ام بجز ا
نام" (ص ۱۱۱)

کتاب الفناء والبقاء۔ "مارا ازیں جنس سخن است اندر کتابے فنا و بقا۔" (ص ۴)

اسرار الخرق والمؤونات۔ "مرا اندریں باب کتابے کہ نام آں اسرار الخرق والمؤونات ست و نسخہ آں مرید را باید۔" (ص ۴۹)

کتاب البیان لاہل العیان۔ "من اندریں معنی تا حال ہدایت کتابے ساختہ ام و آں را کتاب البیان لاہل العیان نام کردہ شد۔" (ص ۱۹۵)

بحر القلوب۔ "اندر بحر القلوب اندر باب جمع فصو لے گفتہ ام۔" (ص ۱۹۵)

الرعایۃ لحقوق اللہ۔ "طالب ایں علم را ایں مسئلہ از کتاب دیگر باید طلبید کہ کردہ ام آں را الرعایۃ لحقوق اللہ نام کردہ۔" (ص ۲۱۱)

کشف کی دو عبارتوں میں کتابوں کے حوالے اور بھی ہیں۔ اب خدا معلوم ان سے مذکورہ بالا کتابوں میں سے کوئی دو ہیں یا یہ دو ان کے علاوہ ہیں۔

"ما ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام۔" (ص ۱۱۱)

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔" (ص ۲۱۵)

اگر یہ دو کتابیں ان کے علاوہ ہیں۔ (جیسا کہ نکلسن کا خیال ہے) تو مجموعی تعداد نو کتابوں ہے۔ اور ایک خود یہی کشف المحجوب۔ کل دس ہوئیں۔ اور چونکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ کشف کی تصنیف کب ہوئی اور شیخ اس کے بعد کب تک زندہ رہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ دس پر بعد میں کچھ اور بھی اضافہ ہوا ہو۔

مخدوم کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے۔ خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اور شیخ الشیوخ فرید الدین گنج شکر دونوں سے متعلق روایت ہے کہ آپ کے مزار پر چلہ کش رہے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرات کے چلہ گاہوں کے نقوش اب تک محفوظ ہیں۔

ملا جامی ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہیں:

"عالم و عارف بود .... و صحبت بسیارے از مشائخ دریافتہ است۔ صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب مشہورہ معتبرہ دریں فن است"

ولطائف وحقائق بسیار درآں کتاب جمع کردہ است" (نفحات ص۳۵۹)

دارا شکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب اس ٹکر کی نہیں :-

"خانوادۂ ایشاں خوانوادۂ زہد وتقویٰ بود ۔ حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است و ہیچ کس را برآں سخن نیست و مرشدے ست کامل ۔ در کتب تصوف بہ خوبی آں در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ خوارق وکرامات زیادہ از حد ونہایت ۔ وبارہا برقدم تجربہ وتوکل سفر کردہ اند" (سفینہ ص۱۶۴)

سب سے بڑھ کر قابل استناد وقابل افتخار قول سلطان المشائخ نظام الملت نظام الدین اولیاؒ کا ہے ۔ آپ کا ارشاد تھا کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو ۔ اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا ۔ آپ کا ایک غیر مطبوعہ ملفوظ درر نظامی میں ہے :

"می فرمودند ۔ کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری ست ۔ قدس اللہ روحہ العزیز ۔ اگر کسے را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود ۔ من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردم" [1]

مخدوم کی اس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے کہ لاہور میں جو مسجد آپ نے تعمیر کرائی تھی ۔ اس کی محراب میں بہ مقابلہ دوسری مسجدوں کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی ۔ علمائے وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی ۔ آپ نے ایک روز سب کو جمع کرکے خود نماز پڑھائی ۔ اس کے بعد حاضرین سے کہا کہ دیکھو کعبہ کدھر ہے ۔ حجابات اٹھ گئے ۔ سب نے دیکھ لیا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے ۔

---

[1] درر نظامی ۔ مرتبہ شیخ علی محمود جاندار ۔ نسخہ قلمی ۔ مملوکہ سید علیم الدین صاحب خادم درگاہ سلطان المشائخ دہلی ۔

تصنیف

عربی میں تصوف کی قدیم ترین معلوم و موجود کتاب کا نام کتاب اللمع تھا۔ اس سے ہم پہلے باب میں روشناس ہو چکے۔ فارسی میں تصوف کی قدیم ترین موجود کتب کشف المحجوب ہے۔ کتاب اللمع چند سال قبل دنیا کے لئے معدوم تھی اور اب بھی مشرق کے لئے اس کا وجود اس کے عدم سے کچھ ہی بہتر ہے۔ خوش قسمتی سے کشف المحجوب اس حجاب گمنامی میں نہیں۔ داتا گنج بخش لاہوریؒ کا نام تو اس سے زیادہ عوام کی زبان پر ہے۔ پنجاب کے اکثر گھرانے ان کی عقیدت کے مسکن ہیں۔ لاہور میں مدت ہوئی اصل فارسی نسخہ طبع ہو چکا ہے اور ترجمہ بھی لاہور ہی سے نکل چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ پروفیسر نکلسن نے گب میموریل سیریز میں شائع کیا ہے۔ چند سال ہوئے روس ا سینٹ پیٹرز برگ کے پروفیسر ژوکوفسکی کے اہتمام اصل کتاب کے یورپ میں بھی چھپنے کی اطلاع آئی تھی۔ یہ سب کچھ ہے تاہم استفادہ کرنے والوں کا حلقہ اب بھی محدود ہے اور مصنف کی طرح تصنیف سے بھی تعارف کرانے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

مصنف کی رحلت کا سال ۴۶۵ھ ہے اور مصنف نے اس کتاب میں اپنی متعدد پچھلی کتابوں کا ذکر اور سکونت لاہور کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کی آخر عمر کی تصنیف ہے۔ یعنی پانچویں صدی ہجری کا وسط۔ اس کتاب سے تقریباً ہم عصر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیریہ ہے۔ موضوع اس کا بھی تصوف ہے۔ دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے۔ برخلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ شان سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ کی تفصیل دیتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر رد و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔

صورت تصنیف یہ ہے کہ کسی صاحب ابوسعید ہجویری نامی سائل ہیں۔ انھوں نے

حضرت مخدومؒ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ

بیان کن مرا اندر تحقیق طریق تصوف	مجھ سے بیان فرمائیے طریق تصوف کی
وکیفیت مقامات ایشان و بیان	حقیقت اور مقامات صوفیہ کی کیفیت
مذاہب ومقالات آں واظہار کن مرا	اور ان کے عقائد و مقالات کی تشریح۔
رموز و اشارات ایشان و چگونگی	اور مجھ پر ظاہر کیجئے ان کے رمز اور
محبت خدائے عزوجل و کیفیت	اشارے اور خدائے بزرگ کے ساتھ ان کی
اظہار آں بر دلہا و سبب حجاب عقول	محبت کی نوعیت اور دلوں میں اسکے ظہور
از کنہ ماہیت آں ونفرت نفس از	کی کیفیت اور اسکی ماہیت کے ادراک سے
حقیقت آں وآرام روح با صفوت	عقل کا حجاب اور نفس کی اس طرف سے
آں وآنچہ بدیں تعلق دارد و از	بیزاری اور روح کی اس کی طرف سے تسکین
معاملت آں۔ (ص۶)	اور اس کے معاملات کے متعلقات۔

ساری کتاب اسی سوال کے جواب اور انہی مراتب کی تفصیل میں ہے۔

مضامین اور تصانیف کے سرقہ میں معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت اور اس زمانہ کے لوگ بڑے شاطر تھے۔ شیخ کو ایک نہیں دو مرتبہ ان لوگوں کے ہاتھوں تلخ تجربے اٹھانے پڑے۔ ایک مرتبہ کوئی صاحب شیخ سے مسودہ دیوان مانگ کر لے گئے اور بجائے واپس کرنے کے اپنے نام اور تخلص کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کر دی۔ دوسری مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ ان کی ایک تصنیف فن سلوک میں منہاج الدین کے نام سے تھی۔ اسے کوئی شخص اڑا کر لے گیا۔ ان کا نام کاٹ کر عنوان پر اپنا نام لکھ دیا اور اس کی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کرنا شروع کر دیا۔ کشف المحجوب ان تصانیف کے بعد کی ہے۔ اس کے آغاز میں جہاں اپنا نام لکھا ہے۔ وہاں ان سب تلخ حالات کی تصریح بھی تلخ لب ولہجہ میں فرما دی ہے۔ (ص۲)

اس سرقہ سے اس قدر خائف تھے۔ کہ اسی ایک بار پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ درمیان کتاب میں بار بار اپنا پورا نام لیتے گئے ہیں۔

لاہور کا جو مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے اس کا کہنا چاہیئے کہ کوئی صفحہ مطبعی غلطیوں سے خالی نہیں۔

کہیں عبارت بالکل بے معنی ہو گئی ہے۔ کہیں مصنف کے اصل منشا کے خلاف مفہوم نکل رہا ہے اور اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ اکثر مقامات پر اشخاص و مقامات کے نام بالکل مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرا تکلیف دہ امر اس نسخہ میں یہ ہے کہ کسی قسم کی فہرست مضامین وغیرہ درج نہیں۔ کتاب مقدمہ، بابوں اور فصلوں میں تقسیم ہے۔ ہر باب و فصل کے الگ الگ پیراگراف (بند یا فقرے) ہیں۔ لیکن کاتب صاحب نے بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک ۲۴۰ صفحہ کی کتاب کا نظم یکساں رکھا ہے۔ نہ کہیں کوئی پیراگراف (بند) توڑا ہے۔ نہ ایک باب و فصل کے اختتام کو دوسرے کے آغاز سے نمایاں طور پر ممتاز کیا ہے۔ راقم سطور نے بہ طور خود ایک فہرست مضامین اور بعض دوسری فہرستیں مرتب کی ہیں اور انہی کی مدد سے ناظرین کے ہمراہ کتاب پر ایک سرسری نظر کرنا ہے۔

شروع کے چھ صفحے (صفحہ ۶) بہ طور تمہید یا مقدمہ کے ہیں۔ ان میں سبب تالیف و موضوع سخن وغیرہ کا بیان ہے۔ اس کے بعد ترتیب مضامین حسب ذیل ہے:-

(۱) فی اثبات العلم (صفحہ ۱۴)

اس میں علم کی ماہیت، علم کے فضائل اور علم کے اقسام کا بیان ہے۔ مشہور صوفی حاتم اصم کا قول نقل کیا ہے کہ

حاتم الاصم گفت رضی اللہ عنہ کہ چہار علم	تمام علوم عالم میں سے میں نے چار چیزوں
اختیار کردم و از ہمہ علمائے عالم برستم	کا علم حاصل کر لیا اور باقی علوم سے بے نیاز
..... یکے آنکہ بدانستم کہ مرا رزقے	ہو گیا۔ اوّل یہ کہ رزق کی ایک مقدار مقسوم
ست مقسوم کہ زیادت و کم نشود	ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔
از طلب زیادت برآسودم و دیگر آنکہ	لئے اس میں اضافے کی طلب کا ہی سے
بدانستم کہ خدائے را بر من حقے ست کہ	نجات پا لیا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی جانب
جز من کسے دیگر نتواند گزارد، بہ ادائے	سے مجھ پر ایک حق عائد ہے ان کی
آں مشغول گشتم و دیگر آں کہ دانستم	بجا آوری میرے اوپر فرض ہے اس لئے اس کی ادائیگی

که مرا طالبے ست یعنی مرگ که
از وے نتوانم گریخت آں را بشناختم۔
چہارم آں کہ دانستم کہ مرا خداوندے ست
مطلع برمن۔ از وے شرم داشتم
و از ناکردنی دست باز داشتم۔
(صفحہ ۱۰)

اس سے ان کی ادائی میں مشغول ہو گیا ہوں۔
تیسرے یہ کہ میرے تعاقب میں موت
لگی ہوئی ہے جس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں
اس لئے اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا
ہوں۔ چوتھے یہ کہ خدا میرے حال کو دیکھتا رہتا ہے
اسلئے اس سے شرم کرتا اور ممنوعات سے بچتا رہتا ہوں۔

علم صحیح یا معرفت کے لئے علم ظاہر یا شریعت اور علم باطن یا طریقت کی حاجت ضروری ہے۔ صرف ایک کا وجود طالب کے لئے مضر ہوگا۔

ظاہر ورزش معاملت و باطنش تصحیح
نیت و قیام بریک ازیں بے دیگرے
محال باشد۔ ظاہر بے حقیقت باطن
نفاق بود و باطن بے ظاہر زندقہ۔
و ظاہر شریعت بے باطن نقص بود
و باطن بے ظاہر ہوس۔ پس علم حقیقت
را سہ رکن است۔ یکے علم بذات خداوند
تعالیٰ و وحدانیت وے و نفی تشبیہ
از وے دیگر علم بہ صفات خداوند
تعالیٰ و احکام آں۔ و سہ دیگر علم بہ افعال
و حکمت وے۔ و علم شریعت را نیز سہ
رکن است یکے کتاب۔ دیگر سنت۔
سہ دیگر اجماع امت۔ (صفحہ ۱۰)

ظاہر سے مراد معاملات ہیں اور باطن سے
تصحیح نیت۔ ان میں سے ایک کا وجود
بغیر دوسرے کے محال ہے۔ ظاہر بغیر
امتزاج باطن کے منافقت ہے۔
اور باطن بغیر شمول ظاہر کے زندقہ ہے۔
شریعت کا ظاہر بلا باطن نقص ہے اور
باطن بلا ظاہر ہوس ہے۔ تو علم حقیقت
کے تین رکن ہوئے۔ ایک علم ذات
خداوندی۔ توحید و نفی تشبیہ۔ دوسرے علم
صفات واحکام خداوندی۔ تیسرے علم افعال
و حکمت افعال خداوندی۔ علم شریعت
کے بھی یہی تین رکن ہیں۔ ایک کتاب
دوسرے سنت تیسرے اجماع امت۔

علم ذات خداوندی کی تعلیم اس قسم کی آیات قرآنی میں بکثرت ملتی ہے۔

فاعلم انہ لا الہ الا اللہ۔

واعلموا انّ اللہ ھو مولیٰکم ۔

الم تر الی ربّک کیف مدّ الظل ۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ۔

لیس کمثلہ شیئٌ و ھو السمیع البصیر ۔

نیز اس قسم کی احادیث نبوی ہیں کہ من علم انّ اللہ تعالیٰ ربّہٗ و انی نبیہٗ حرم اللہ تعالیٰ لحمہ و دمہ علی النار۔

علم صفات خداوندی کی جانب رہبری اس قسم کی آیات کرتی ہیں :۔

اِنّہٗ علیمٌ بذات الصّدور ۔

واللہ علی کُلِّ شیٍٔ قدیر ۔

وھو السمیع البصیر ۔

فعال لّما یرید ۔

ھو الحی لا الٰہ الّا ھو ۔

علم افعال خداوندی کی بابت اشارے اس قسم کی آیات میں ملتے ہیں :۔

واللہ خلقکم وما تعملون ۔

واللہ خالق کل شئی ۔

علم شریعت کے رکن اوّل یعنی کتاب اللہ سے تمسک و اعتصام کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے ۔ فیہ آیاتٌ محکماتٌ ھن ام الکتاب رکن دوم یعنی سنت نبوی کا شاہد عادل یہ فرمان الٰہی ہے ۔ وما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ۔ رکن سوم یعنی اجماع امت کی دستاویز استنادیہ ارشاد حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔

لا یجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم ۔

علم ربّ تعالیٰ و علم شریعت کی اہمیت پر متعدد روایات اس کلام کی انداز انتباس ذیل سے ہو :

محمد بن فضل البلخی کہ بود رحمۃ اللہ علیہ العلوم | محمد بن فضل بلخی کہتے ہیں علوم تین ہیں
ثلاثۃ علم من اللہ و علم مع اللہ و علم باللہ | یعنی ایک علم من اللہ ۔ ۔ ۔ علم مع اللہ

علم باللہ علم معرفت بود کہ ہمہ اولیاء
و انبیاء بدو دانستہ اند و تا تعریف
و تعرف وے نبود ایشاں وے را
نہ دانستند علم من اللہ علم شریعت
بود کہ آں از وے بما فرمان و تکلیف
ست و علم مع اللہ علم مقامات و طریق حق
و بیان درجات اولیا است پس معرفت
بے پذیرفتن شریعت درست نیاید
و ورزش شریعت بے اظہار مقامات
راست نیاید .... ہر کرا
علم معرفت نیست دلش بجہل مردہ
ست و ہر کرا علم شریعت نیست بہ
نادانی بیمار ست ۔ (صـ۱۲)

تیسرے علم باللہ۔ علم باللہ علم معرفت ہے
کہ انبیاء و اولیاء نے اسی ذریعہ سے معرفت
باری حاصل کی ہے اور بغیر اس کے انہیں
معرفت حاصل نہ ہو سکی۔ علم من اللہ علم شریعت
ہے یعنی احکام الٰہی و فرائض عبدیت کا علم۔
علم مع اللہ علم مقامات طریقت و درجات
اولیاء کا نام ہے۔ معرفت بغیر علم شریعت
کے قبول کئے درست نہیں ہو سکتی۔ اور
شریعت پر عمل بغیر مقامات رہی کے پورا
نہ ہو پائے گا اور جسے علم معرفت نہیں اسکے
قلب پر جہل کی موت طاری ہے اور جسے
علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض نادانی
میں گرفتار ہے۔

اسی تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامی کا قول ہے کہ

عملت فی المجاهدة ثلثین
سنة فما وجدت شیئاً اشد علی من
العلم ومتابعته ۔

میں نے تیس سال تک مجاہدہ کئے۔ لیکن
کسی مجاہدہ کو علم و تحصیل علم سے بڑھ کر
سخت نہیں پایا۔

اور خود شیخ ہجویری کا بیان ہے کہ طبع انسانی کے لئے آگ پر چلنا راہ علم پر چلنے سے آسان تر ہے اور ایک جاہل کے لئے پل صراط پر ہزار بار گزرنا اس سے آسان ہے کہ علم کا ایک مسئلہ حل کرے۔ (صـ۱۴)

آج جب کہ بعض خوش فہم صوفیہ نے ہر قسم کے علم پر مطلق صورت میں حجاب اکبر کا حکم لگا دیا ہے۔ علم شریعت کے یہ فضائل ایک شیخ الشیوخ کی زبان سے یقیناً حیرت کے کانوں سے سنے جائیں گے۔

(۲) باب الثانی فی الفقر (ص ۱۴-۲۴)

اس باب میں فضائل فقر و مسکنت کا بیان ہے۔ فضائل فقر میں متعدد آیات قرآنی موجود ہیں مثلاً

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف (بقرہ - ع - ۳۰)

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً و طمعاً (سجدہ - ع - ۲)

احادیث نبوی میں فضائل فقر کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ سرور کائنات خود اپنے متعلق دعا میں یہ آرزو کیا کرتے تھے۔ کہ اے پروردگار مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین ہی وفات دے۔ حشر میں زمرۂ مساکین ہی میں اٹھا۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ

ادنونی احبائی فیقول الملٰئکۃ	میرے دوستوں کو حاضر کرو۔ فرشتے عرض
من احباءک فیقول اللہ الفقراء	کریں گے کہ بار الہا تیرے دوست کون
والمساکین۔	ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ فقراء و مساکین۔

عہد رسالت میں جو فقراء و مہاجرین مسجد نبوی میں اسباب دنیوی سے قطع نظر کرکے محض عبادت الٰہی کے لئے بیٹھ گئے تھے اور اپنے رزق کے لئے توکلاً علی مسبب الاسباب پر رکھے ہوئے تھے ان کی خبر گیری اور ان کی رفاقت کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ رب العزت سے تاکید ہوتی تھی چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے

• لا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون

(انعام۔ آیت ۵۲)

اور ایک دوسرے موقع پر فرمان ملتا ہے:

• لا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا (کہف۔ آیت ۲۸)

ان تاکیدی احکام نے ان فقراء و مہاجرین کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں انہیں دیکھ لیتے تو انتہائی شفقت سے ارشاد فرماتے کہ

میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ کہ اللہ نے تمہارے بارے میں مجھ پر عتاب کیا۔ (صفحہ ۱۵-۱۶)
اس کے آگے فقر کی حقیقت اور فقر کے آداب پر بحث کی ہے اور غنا کے مقابلہ میں
اس کی افضلیت پر دلائل قائم کئے ہیں۔

(۳) الباب الثالث فی التصوف (صفحہ ۲۴-۲۱)

تیسرا باب ماہیت تصوف پر ہے۔ حسب معمول شیخ نے اس باب کا بھی آغاز قال اللہ
وقال الرسول سے کیا ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی میں انہیں اس باب کے مطابق و مناسب یہ آیت ملی۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون
قالوا سلاما (الفرقان۔ آیت ۶۳)

اور بطور حدیث کے اس کو پیش کیا ہے جو حدیث رسولؐ تو نہیں۔ البتہ کسی بزرگ امت
کا مقولہ معلوم ہوتا ہے۔

من سمع صوت اھل التصوف فلا یومن علی دعائھم کتب عند اللہ من
الغافلین۔

اس کے آگے شیخ سراجؒ کی طرح انہوں نے بھی لفظ صوفی اور اس کے اشتقاق پر
تفصیلی نظر کی ہے۔

مردماں اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن	اس نام کی تحقیق میں لوگوں کے مختلف
گفتہ اند و کتب ساختہ و گروہے ازاں	خیالات ہیں اور بہت سے قول ہیں۔ ایک
گفتہ اند کہ صوفی را برائے آں صوفی	گروہ کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامہ صوف
خواندہ اند کہ جامۂ صوف دارد و	میں ملبوس رہتے تھے۔ اس لئے
گروہے گفتہ اند کہ صوفی را از برائے	صوفی کہلائے۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ
آں صوفی خوانند کہ از صف اول باشد	صوفی کا ماخذ صف اوّل ہے۔ یہ حضرات
و گروہے گفتہ اند کہ بداں صوفی گویند	چونکہ صف اوّل میں رہتے تھے۔ اس
کہ تولا بہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم	لئے لقب صوفی سے موسوم ہوئے۔
کردہ اند گروہے گفتہ اند کہ ایں اسم	ایک گروہ کا مسلک ہے کہ چونکہ ان

از صفا مشتق است و ہر کسے را اندریں
معنی اندر تحقیق ایں طریقت لطائف
بسیار است اما بہ مقتضائے
لغت ازیں معنی بعید می باشد
(ص ۲۲)

لوگوں کو اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی۔
اسلئے یہ صوفی کہلائے۔ ایک اور جماعت
اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے بتاتی ہے اور یہ
گروہ اپنی تائید میں خوب خوب نقطے پیدا کرتا رہتا ہے
لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں ہوتی۔

شیخ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب "صفا" (صفائی) سے لبریز ہو اور "کدر" (گندگی) سے خالی ہو اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہونچ سکتے ہیں۔

"صفا ضد کدر بود و کدر صفت بشر بود۔ وجہ حقیقت صوفی بود آنکہ او را از کدر گزر بود" (ص ۲۳)

"صوفی نامے ست کہ مر کاملان ولایت را محققاں بدیں نام خواندہ اند" (ص ۲۵)

چنانچہ دور اول کے مشائخ طریقت میں سے کسی بزرگ کا قول ہے کہ

من صفاہ الحب فھو صاف
و من صفاہ الحبیب فھو صوفی
(ایضاً)

جس کو محبت صاف کردے وہ
صافی ہے اور جسے محبوب اپنے
صاف کرلے وہ صوفی ہے۔

اہل تصوف کے تین طبقے یا درجے ہیں۔ صوفی، متصوف، مستصوف۔ تینوں کی تعریف شیخ ہی کے لفظوں میں سننے کے قابل ہے:

صوفی آں بود کہ از خود فانی بود و بحق
باقی و از قبضہ طبائع رستہ و بہ حقیقت
پیوستہ، و متصوف آنکہ بمجاہدہ ایں درجہ را
می طلبد و اندر طلب خود را بر معاملات
ایشاں درست می کند، و مستصوف
آنکہ از برائے مال و منال و جاہ
و حظ دنیا خود را مانند ایشاں کردہ

صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی اور
حق میں [illegible] باقی [illegible]
حقیقت تک [illegible]
[illegible]
[illegible]
مستصوف وہ ہے جو نفس [illegible] کے لئے دنیا
طلبی کی خاطر [illegible]

وازیں ہر دو چیز ہیچ خبر ندارد تا حدے کہ گفتہ اند المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب و عند غیرہم کالذیاب۔ (ص ۲۵)

بنا دے اور حقیقتاً ان دونوں سے اسے بہرہ نہ ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ مستصوف صوفی کی نظر میں مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور دوسروں کی نظر میں بھیڑیے کی مانند جس کی غذا ہی گوشت اور خون ہے۔

شیخ عالم معانی و حقائق ہی کے سیاح نہیں بلکہ شیخ سعدیؒ کی طرح لفظی صنعت گری کے بھی ماہر ہیں اور کتاب میں ادب و انشاء کے جلوے بار بار دکھاتے گئے ہیں۔ یہاں بھی آ گئے ہیں عبارت لکھی ہے۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:

صوفی صاحب وصول بود و متصوف صاحب اصول و مستصوف صاحب فضول۔

صوفی صاحب وصول ہوتا ہے کہ اسے وصل مقصود ہو چکا ہوتا ہے متصوف صاحب اصول ہوتا ہے کہ اصل صحیح پر قائم رہ کر احوال طریقت میں مشغول رہتا ہے اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں حقیقت سے محجوبی اور معانی سے محرومی ہوتی ہے۔

قدیم ترین صوفیہ نے صوفی اور تصوف کی جو تعریفات بیان کی ہیں۔ شیخ نے انہیں ... سنداً پیش کیا ہے۔ اور دور تک انہیں پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ (ص ۲۶-۲۹) مثلاً

(۱) الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن الحقائق و ان سکت نطقت عنہ الجوارح یقطع العلائق۔ (ذوالنون مصریؒ)

حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب وہ گفتار میں آتا ہے تو اس کی زبان حقائق کی ترجمان ہوتی ہے۔ اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے اعضاء قطع علائق بزبان حال سے شہادت دیتے رہتے ہیں۔

(۲) التصوف نعت اقیم العبد فیہ قیل نعت للعبد ام للحق فقال

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف وہ صفت ہے جس میں بندہ کی اقامت کی گئی۔

نعت الحق حقیقة و نعت العبد رسمًا۔
(جنید بغدادیؒ)

(یعنی اس کی ہستی ہے) لوگوں نے پوچھا کہ یہ صفت بندہ کی ہے یا حق کی؟ جواب دیا کہ حقیقةً تو حق کی ہے صورةً بندہ کی ہے۔

(۳) التصوف ترك كل حظٍ للنفس
(ابوالحسن نوریؒ)

حضرت ابوالحسن نوری کا قول ہے کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے۔

(۴) الصوفیة هم الذین صفت ارواحهم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق۔
(ایضاً)

انہی بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روحیں (آلائشوں سے) پاک ہو چکی ہیں اور وہ رب العزت کے حضور میں صف اوّل میں حاضر ہیں۔

(۵) الصوفی الذی لا یملك و لا یملك۔ (ایضاً)

انہی بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی چیز کا مالک اور نہ کوئی اس کا مالک ہو۔

(۶) التصوف رؤیة الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون۔ (ابو عمرو دمشقی)

ابو عمرو دمشقی ارشاد کرتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کائنات کی جانب عیب جوئی کی نگاہ سے دیکھنا بلکہ سرے سے نہ دیکھنا۔

(۷) التصوف شرك لانه صیانة القلب عن رؤیة الغیر و لا غیر۔ (شبلی)

شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ تصوف ایک طرح کا شرک ہے اس لئے کہ یہ نام ہے قلب کو غیر سے بچانے کا حالانکہ غیر کا وجود ہی سرے سے نہیں۔

(۸) التصوف صفاء السر من کدورة المخالفة۔ (حصری)

شیخ حصری کا ارشاد ہے کہ تصوف نام ہے قلب کا مخالفت حق کی کدورت سے پاک رکھنے کا۔

(۹) الصوفی لا یری فی الدارین

شبلی سے یہ بھی نقل ہے کہ

مع الله غیر الله ۔	صوفی دونوں جہانوں میں اللہ کے سوا اور
(شبلی)	کسی کو نہیں دیکھتا۔
(۱۰) التصوف اسقاط الرویۃ حق	شیخ علی بن بندار نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ
ظاهراً و باطناً۔	تصوف یہ ہے کہ بجز حق ہی حق کے ظاہر اور
(علی بن بندار نیشاپوری)	باطن میں اور کچھ نہ نظر آئے۔

اسی باب میں اہل تصوف کے مزید خصوصیات، ان کے معاملات اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی میں ان کی کوششوں کو بیان کیا ہے۔

(۴) باب فی لبس المرقعات (ص ۳۱-۳۹)

اس چوتھے باب میں مرقع پوشی۔ یعنی پیوند لگے ہوئے لباد ہ اور گدڑی پہننے کی فضیلت ذکر ہے۔ اور اس دستور کو سنت رسول ؐ اور آثار صحابہؓ سے ثابت کیا ہے۔

(۵) باب فی ذکر اختلافهم فی الفقر والصفوۃ (ص ۳۹-۴۲)

اس باب میں اس مسئلہ پر بحث ہے کہ فقر اور صفا دونوں میں افضل کون ہے؟ بعض صوفیہ نے فقر کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے صفا کو۔ شیخ نے محاکمہ کرنا چاہا ہے۔ پھر بھی بحث تشنہ رہ گئی ہے۔

(۶) باب الملامت (ص ۴۲-۴۷)

اس باب میں آیۂ قرآنی ولا یخافون لومۃ لائم ذالك فضل الله یوتیہ من یشاء (مائدہ۔ آیت ۵۴) کی تفسیر میں طریق ملامت کی ستائش کی ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ اہل حق راہ حق میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔ بلکہ خلق کی نظر میں رسوا اور مطعون ہو کر اپنی للٰہیت اور حق پرستی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اس طریق کے نشر و اشاعت کا سہرا شیخ ابو حمدون قصار کے سر ہے۔

حصول ملامت کی ممکن صورتیں تین ہیں۔

(۱) پہلی صورت "راست رفتن" یعنی معمولی طور پر راہ راست پر چلتے رہنے کی ہے خلقت اس پر بھی اگر ملامت کرنے لگے، تو یہ خواہ مخواہ کی ملامت ہوگی۔

۲) دوسری صورت "قصد کردن" کی ہے۔ یعنی بالقصد ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے نفس کے حب جاہ کو صدمہ پہونچے۔ اور لوگ زبان طعن دراز کریں۔

۳) تیسری صورت "ترک کردن" کی ہے۔ یعنی قصداً کوئی عمل خلاف شریعت کرنا۔ یہ طریقہ سراسر نامحمود ہے اور نتیجہ "کفر و ضلالت طبعی" ہوتا ہے۔

آج جو سبز پوش یا سرخ پوش یا زرد پوش یا کسی اور رنگین لباس میں ملبوس اپنے کو سلسلۂ ملامتیہ میں منسلک بتلاتے اور طرح طرح کی خلاف شرع حرکتیں علانیہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ عموماً اسی تیسرے طریقہ "ترک کردن" پر عامل ہیں۔ اور اپنی ان فاسقانہ بلکہ نیم کافرانہ روش کا نام تصوف رکھا ہے۔ شیخؒ نے گویا اسی طبقہ کو پیش نظر رکھ کر الفاظ ذیل لکھے ہیں۔

آنکہ طریقش ترک باشد و خلاف	تو جو کوئی اس طریق ترک کو اختیار کرتا ہے
شریعت چیزے بر دست گیرد	اور کسی خلاف شریعت عمل کو کر لیتا ہے
گوید کہ من طریق ملامت می ورزم	کہ میں اصول ملامتیہ کی پیروی کر رہا ہوں تو [illegible]
آں ضلالت واضح باشد و آفت	یہ فعل کھلی ہوئی گمراہی اور [illegible]
ظاہر و ہوس صادق۔ چنانچہ اندریں	اور تمامتر نفسانیت ہے۔ چنانچہ آج کل
زمانہ بسیارے ہستند کہ مقصود شاں	بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کا مقصد
از رد خلق قبول ایشاں بود (ص ۶۳)	طریق ملامتیہ کے پردہ میں نمود و نمائش ہے
	[illegible]

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا ایک اسی طرح [illegible] ملامتی کا ساتھ ہو گیا۔ اس نے کوئی بدکرداری کی اور اس سے [illegible] عمل پر ایک رفیق نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا [illegible] شیخ نے [illegible] ملامتی ہونے کے مدعی ہو اور اپنے اعتقاد میں سچے ہو تو اس رفیق [illegible] ملال کیوں گزرا؟ تمہیں تو اور خوش ہونا چاہئے کہ جو مقصود تھا یعنی ملامت وہ حاصل ہو گیا۔ شیخ کا یہ نقد وہی آج کل کے شریعت شکن [illegible] ان [illegible] سے پہلے [illegible]

ہر کہ خلق را دعوت کند بار [illegible]	جو شخص خلق سے [illegible]

حق مرآں را برہانے باید۔ برہان آں حفظ سنت باشد۔ چوں از تو ترک فریضہ بینم و تو خلق را بداں دعوت می کنی ایں کار از دائرہ اسلام بیروں می باشد (ص ۴۵)	کا مدعی ہوتا ہے۔ اسے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی لانا چاہیے اور یہ دلیل سنت رسولؐ کی پابندی ہے نہ دعوت حق کے مدعی ہو۔ مگر جب تم نے ترک فریضہ کر دیا تو یہ فعل دائرہ اسلام سے خارج ہے

(۷) باب ذکر ائمتھم من الصحابۃ (ص ۴۰-۸۱)

اس باب میں خلفاء اربعہ کا ذکر ہے۔ جو تمام صوفیوں کے سرگروہ پیشوا ہوئے ہیں اس میں قدرتاً سب سے زیادہ اہمیت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضےٰؓ کو دی گئی ہے۔ حضرت صدیقؓ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

"شیخ الاسلام و بعد از انبیاء خیرالانام۔ خلیفہ و امام۔ سید اہل تجرید و شاہنشاہ ارباب تفرید و از آفات انسانی بعید۔ امیر المومنین ابوبکر عبداللہ الصدیق کہ وے را کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر .... و مشائخ وے را مقدم ارباب مشاہدت نہند"

اور علی مرتضےٰؓ کا ذکر ان الفاظ میں ہے :-

"برادر مصطفےٰؐ و غریق بحر بلا و حریق نار ولا مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اورا اندریں طریقت شانے و درجہ رفیع بود .... تا حدے کہ جنید گوید رحمۃ اللہ علیہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی مرتضیٰ شیخ ما اندر اصول و اندر بلا کشیدن علی مرتضےٰؓ ست۔ یعنی امام ما اندر علم طریقت و معاملات آں علی مرتضیٰ ست ...... اہل ایں طریقت اقتدا کنند بہ او اندر حقائق عبارات و دقائق اشارات و تجرید از علوم دنیا و آخرت و نظارۂ اندر تقدیر حق۔ و لطائف کلام وے بیشتر از آں ست کہ بعدد اندر آید (ص ۸۱)

تقریباً ایسے ہی شاندار الفاظ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے مبارک تذکرے ہیں۔

(۸) باب فی ذکر ائمتهم من اهل البیت۔ (ص۵۱-۵۰)

یہ باب خاندان نبویؐ کے اخلاف صالحین کے کمالات و مناقب پر مشتمل ہے خصوصاً سیدنا حضرت حسنؓ و سیدنا حضرت امام حسینؓ، حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ، حضرت ابوجعفر محمد باقرؓ، حضرت جعفر صادقؓ کے کمالات و کرامات پر۔

(۹) باب فی ذکر اهل الصفه (ص۵۸-۶۰)

اصحاب صفہ کے حالات میں شیخ نے اپنی ایک مستقل تصنیف منہاج الدین کا حوالہ دیا ہے۔ اور اس باب میں صرف ان کے اسمائے گرامی کو شمار کر دیا ہے۔

(۱۰) باب فی ذکر ائمتهم من التابعین۔ (ص۶۰-۶۳)

یہ باب اویس قرنی، ہرم بن حیان، حسن بصری اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہم کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ گویا تابعین میں صوفیہ کے سرخیل، پیشوا یہ حضرات ہوئے ہیں۔ حسن بصریؒ طبقۂ مفسرین میں اور سعید بن المسیب طبقۂ فقہا میں جانے پہچانے ہوئے نام ہیں۔

(۱۱) باب فی ذکر ائمتهم من تبع التابعین (ص۶۳-۱۱۶)

اس باب کے تحتانی عنوانات ۴۲ ہیں۔ اور ہر عنوان ایک ایک بزرگ کے تذکرہ کے لئے وقف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، مالک بن دینارؒ، احمد حنبل، حبیب عجمی، ذوالنون مصریؒ، داؤد طائی، معروف کرخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، سری سقطیؒ، فضیل بن عیاضؒ، جنید بغدادیؒ، ابوبکر شبلیؒ، منصور حلاجؒ ان چند پر سارے عنوانات کو قیاس کر لیا جائے۔ یہ طبقہ تبع تابعین کے اکابر صوفیہ کی فہرست ابوحنیفہ، شافعی و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۲) باب فی ذکر ائمتهم من المتاخرین (ص۱۱۶-۱۲۲)

متاخرین صوفیہ میں جن دس بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں۔ ان میں شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور امام ابوالقاسم قشیریؒ کے نام خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

(۱۳) باب فی ذکر الرجال الصوفیۃ من المتاخرین علی الاختصار من اهل البلدان (ص۱۲۳-۱۲۶)

یہ گویا باب ماقبل کا تکملہ ہے۔ اس میں معاصر صوفیہ کا تذکرہ ہے۔ اور ان کے طبقات کو ان کی وطنیت کی بنا پر تقسیم کیا ہے۔ مثلاً صوفیہ شام و عراق، صوفیہ پارس، صوفیہ قہستان، آذربائیجان و طبرستان، صوفیہ کرمان، صوفیہ خراسان، صوفیہ ماوراالنہر، صوفیہ غزنین

(۱۴) باب فی فرق فرقهم فی مذاهبهم۔ (ص ۱۲۶-۲۰۰)

کتاب کا سب سے طویل و ضخیم باب یہی ہے۔ اس میں صوفیہ کے مختلف سلسلے اور ان کے اصول اور باہمی اختلافات کا ذکر ہے۔

اس وقت تک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استقصاء میں کل بارہ سلسلے تھے۔ ان میں سے دس مقبول اور اہل حق تھے۔ اور باقی دو مردود اور اہل باطل تھے۔

دس مقبول سلسلوں کے نام معہ ان کے بانیوں کے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) محاسبیہ (عبداللہ بن حارث محاسبیؒ)

(۲) قصاریہ (ابوحمدون قصارؒ)

(۳) طیفوریہ (بایزید بسطامیؒ)

(۴) جنیدیہ (جنید بغدادیؒ)

(۵) نوریہ (ابوالحسن نوریؒ)

(۶) سہیلیہ (سہل تستریؒ)

(۷) حکیمیہ (حکیم ترمذیؒ)

(۸) خرازیہ (ابوسعید خرازؒ)

(۹) خفیفیہ (ابوعبداللہ خفیف)

(۱۰) سیاریہ (ابوالعباس سیاریؒ)

گیارہویں سلسلہ کا نام جو مردودین اور اہل ضلالت کا ہے۔ سلسلہ حلولیہ ہے۔ اس کے بانی ابوحلمان دمشقی ہوا ہے۔ بارہویں سلسلہ کا نام کہ وہ بھی مردود ہے درج کتاب نہیں۔ اس کا انتساب فارس کی جانب کیا جاتا ہے[1] (ص ۱۹۵)

---

[1] ملا جامی نے پورا نام فارس بن عیسی بغدادی لکھا ہے منصور حلاج کا مرید بتایا ہے اور بزرگوں میں شمار کیا ہے (ص ۱۷۲-۱۷۳) نفحات الانس مطبوعہ کلکتہ۔

اس باب میں تصوف کے اکثر مہمات مسائل پر بحث آگئی ہے۔ گو ضمناً نوعیت مضامین کا اندازہ چند تحتانی ابواب کے عنوانات سے ہو گا۔ حقیقت رضا۔ فرق بین الحال والقال۔ الکلام فی السکر والصحو۔ احکام فی حقیقۃ النفس ومعنی الہویٰ احکام فی مجاہدۃ النفس۔ الکلام فی حقیقۃ الہویٰ۔ الکلام فی اثبات الولایت۔ الکلام فی اثبات الکرامت۔ الکلام فی البقاء والفناء الکلام فی الغیبۃ والحضور۔ الکلام فی الجمع والتفرقہ۔ تفضیل الانبیاء والاولیاء علی الملائکۃ و قس علیٰ ہذا۔

یہاں تک کتاب کا گویا تاریخی اور تنقیدی حصہ تھا۔ اس کے بعد سے مستقلاً مسائل سلوک کی تشریح شروع ہوتی ہے۔ اور کشف المحجوب میں حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے۔ شیخ نے حجابات کی تعداد گیارہ قرار دی ہے۔ اور بعد کے ہر باب میں ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے۔ ہر باب کئی کئی حصوں میں تقسیم ہے۔ عنوانات ابواب پر سرسری نظر کافی ہو گی۔

(۱) کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ ص[illegible] تا ص[illegible]۔

(۲) 〃 〃 الثانی فی التوحید ص۲۰۵ تا ص[illegible]۔

(۳) 〃 〃 الثالث فی الایمان ص۲۱۵ تا ص۲۱۹۔

(۴) 〃 〃 الرابع فی الطہارۃ ص۲۱۹ تا ص۲۲۶، (ایک ضمنی باب توبہ و متعلقات توبہ پر ہے)

(۵) 〃 〃 الخامس فی الصلوٰۃ ص۲۲۶ تا ص۲۳۹، (ایک ضمنی باب محبت و متعلقات محبت پر ہے)

(۶) 〃 〃 السادس فی الزکوٰۃ ص۲۳۹ تا ص[illegible]، (ایک ضمنی باب جود و سخا پر ہے)

(۷) 〃 〃 السابع فی الصوم ص[illegible] تا ص[illegible]، (ایک ضمنی باب جوع پر ہے)

(۸) 〃 〃 الثامن فی الحج ص[illegible] تا ص[illegible]، (ایک ضمنی باب مشاہدہ پر ہے)

(۹) 〃 〃 التاسع فی الصحبۃ ص[illegible] تا ص[illegible]۔

صحبت اور اس کی اہمیت سلوک وطریقت میں [illegible] ہے۔ اس [illegible] سے

بالکل قدرتی ہے کہ یہ باب مبسوط و مفصل ہے۔ آداب و احکام صحبت کی تفصیل میں یہ باب بجائے خود دس تحتانی ابواب پر تقسیم ہے۔ بعض کے عنوانات حسب ذیل ہیں :۔

باب آدابہم فی الصحبۃ، باب آدابہم فی السفر، باب آدابہم فی الاکل۔ باب آدابہم فی المشی، باب آدابہم فی الکلام والسکوت، باب آدابہم فی التزویج والتجرید،

(۲۴) کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقہم وحدود الفاظہم وحقائق معانیہم (ص ۱۸۶ تا ص ۳۰۶)

اس باب میں پہلے ارباب سلوک و طریقت کے مصطلحات کا ذکر ہے۔ ان کے معنی اور ان کے باہمی فرق کی تشریح ہے۔

مثلاً حال و وقت، مقام و تمکین، محاضرات و مکاشفات، قبض و بسط، مہر و لطف، انس و ہیبت، نفی و اثبات، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علم معرفت و شریعت و حقیقت، وغیرہ۔

مباحث کی نوعیت کا اندازہ اقتباس ذیل سے ہوگا۔ بیان شریعت و حقیقت کے تعلق باہمی کا ہو رہا ہے۔

شریعت فعل بندہ بود و حقیقت	شریعت بندہ کا فعل ہے اور داشت
داشت خداوند و حفظ و عصمت وے۔	خداوندی۔ حفظ و عصمت الٰہی کا نام
پس اقامت شریعت بے وجود	حقیقت ہے۔ پس شریعت کا تحقق
حقیقت محال باشد و اقامت	بلا وجود حقیقت کے محال ہے۔ انکے باہمی تعلق
حقیقت بے حفظ شریعت ہم محال	کی مثال روح و جسم کے اتصال کی ہے جب
و مثال ایں چوں شخصے باشد زندہ	تک انسان زندہ ہے دونوں متصل ہیں جب
بہ جان و چوں جان از وے جدا	روح نکل گئی تو جسم مردہ ہوگیا اور روح خود بس
شود آں شخص مردارے باشد	اب ہوا ہوگئی۔ دونوں کی اہمیت و قدر
و جان چوں باد وے کہ قیمت شاں	اسی وقت تک ہے جب تک ایک دوسرے کے

از مفارقت یک دیگر ست ہم چنیں شریعت بے حقیقت ریاے بود و حقیقت بے شریعت نفاق۔ خداوند گفت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا مجاہدت شریعت آمد و ہدایت حقیقت۔ آں یکے حفظ بندہ باشد مر احکام ظاہر را بر خود و آں دیگر حفظ حق بود مر احوال باطن را بر بندہ پس شریعت از مکاسب بود و حقیقت از مواہب۔

(صفحہ ۲۰۰)

شریک و رفیق ہیں۔ اسی طرح شریعت بغیر مغز حقیقت کے ایک ریاکاری ہے اور حقیقت بھی بغیر امتزاج شریعت کے منافقت ہے قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں جد و جہد کرتے رہتے ہیں انہیں ہم اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں اس مجاہدہ (جد و جہد) کا نام شریعت ہے اور جو ہدایت (راہ یابی) اس پر مرتب ہوتی ہے اس کا نام حقیقت ہے۔ شریعت کا ماحصل احکام ظاہر کی تعمیل ہے اور حقیقت کا خلاصہ احوال باطن کا اپنے اوپر طاری کرنا۔ شریعت بندہ کے اختیار کی چیز ہے۔ اور حقیقت عطیہ الٰہی ہے۔

اس کے بعد مختصر طور پر اور بہت سے مصطلحات صوفیہ مثلاً حق، حقیقت، ذات، صفت و جوہر کے معنی درج کئے ہیں۔

(۲۵) کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع ، صفحہ ۳۰۶ تا صفحہ ۳۲۸

کتاب کا یہ آخری جزو بجائے خود دس بابوں میں تقسیم ہے۔ باب سماع القرآن. باب سماع الشعر. باب سماع الاصوات والالحان. باب فی احکام السماع. باب اختلافہم فی السماع. باب مراتبہم فی السماع. باب فی الوجد والتواجد. باب فی الرقص. باب فی الخرق. باب فی آداب السماع.

شیخ کے نزدیک سماع کی بہترین صورت سماع آیات قرآنی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اولیٰ ترین سماعے مسموعات مردان را بہ فوائد سر را بہ زوائد و وقت را بہ لذت کلام خداوند عز اسمہ ست و مامور اند ہمہ مومناں و مکلف اند ہمہ کافراں از آدمی و پری بشنیدن کلام ایزد تعالیٰ (صفحہ ۳۰۶)

سماع قرآن کی افضلیت تو بہرحال کسی مسلمان کے لئے قابل بحث ہے ہی نہیں۔

گفتگو جو کچھ ہے وہ سماع مصطلح یعنی غنا یا شعر کو لحن کے ساتھ سننے میں ہے۔ شیخ خود صاحب سماع تھے اور اپنے عمل کی تائید میں آثار صحابہؓ بلکہ عمل رسولؐ تک رکھتے تھے۔ (ص ۲۱۲ و ۲۱۶) چنانچہ ابو عبدالرحمن سلمی کی کتاب السماع کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں انہوں نے جواز سماع کی تائید میں احادیث رسولؐ آثار صحابہ کو نقل کیا ہے۔ (ص ۲۱۶) تاہم فرماتے ہیں کہ

مراد مشائخ متصوفہ ازیں طلبیدن بجز اباحت ست از آنچہ اعمال فوائد باید اباحت طلبیدن کار عوام باشد۔ و بر محل مباح ستورانند بندگان مکلف را باید کہ از کردار فائدہ طلبند۔

مشائخ صوفیہ کو تلاش اباحت سماع کی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ کسی عمل کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں۔ اس کے فوائد کی بنا پر اختیار کرنا چاہئے۔ تلاش اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں۔ سند جواز چوپایوں کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔ انسان کیلئے تکلیف شرعی رکھی گئی ہے۔ اسے چاہئے کہ کسی عمل کو اس کے فوائد کی بناء پر اختیار کرے۔

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جو اس مسئلہ پر بہت سلجھے ہوئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور بہت سے پہلوؤں کا جامع ہے۔ کہتے ہیں :۔

وقتے من بہ مرو بودم۔ یکے از ائمہ الحدیث کہ معروف ترین ایشاں بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام۔ گفتم بزرگ مصیبتے کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام لہوے را کہ اصل ہمہ فسقہا ست حلال کرد مرا گفت پس اگر حلال نمی دانی۔ تو چرا می کنی۔ گفتم حکم ایں بر وجوہ ست۔ بر یک چیز قطع نتواں کرد۔ اگر تاثیر اندر دل

ایک زمانہ میں میں مرو میں تھا۔ ایک روز وہاں کے مشہور ترین امام المحدیث نے مجھ سے کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے میں نے کہا۔ حضرت یہ تو آپ نے بڑا غضب کیا کہ ایسے لہو کو حلال کر دیا جو فسق کی جڑ ہے۔ اس پر وہ بولے کہ اگر آپ حلال نہیں سمجھتے تو پھر خود کیوں سنتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر منحصر ہے۔ کوئی ایک حکم قطعی طور پر

حلال بود سماع حلال بود واگر حرام بود حرام واگر مباح بود مباح۔ چیزے راکہ حکم ظاہرش فسق است واندر باطن حالش رو شن بر دجوہ است۔ اطلاق آں بہ یک چیز محال باشد (ص ۳۱۶)	نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر سماع سے دل میں اثرات بھی حلال قسم کے پیدا ہوں تو سماع حلال ہے اور اگر حرام قسم کے پیدا ہوں تو حرام ہے۔ اگر مباح پیدا ہوتے ہوں تو مباح ہے۔ ایسی چیز کہ جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے اور جسکا باطن مختلف احوال کا تابع ہے۔ اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا ممکن نہیں۔

کتاب کے آخری جزو کے آخری باب کا عنوان آداب السماع ہے۔ اور اس پر گویا شیخ نے آداب و اصول طریقت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس میں شیخ نے شرائط سماع حسب ذیل تحریر کئے ہیں:-

(۱) خواہ مخواہ اور تکلف کر کے سماع نہ سنے۔ جب تقاضا از خود غالب ہو، اس وقت سنے۔

(۲) سماع بہت کثرت سے کبھی نہ سنے کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے۔ کبھی کبھی سنے تاکہ ہیبت سماع دل پر قائم رہے۔

(۳) مرشد یا شیخ طریقت محفل سماع میں موجود رہے۔

(۴) محفل میں عوام شریک نہ ہوں۔

(۵) قوال پاکباز ہو۔ فاسق نہ ہو۔

(۶) قلب مکروہات دنیوی سے خالی ہو۔

(۷) طبیعت لہو و لعب کی جانب آمادہ نہ ہو۔

(۸) تکلف و اہتمام نہ کیا جائے۔

تاثیر سماع کے چند مؤثر واقعات و حالات درج کرنے کے بعد اور یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ سماع بعض صورتوں میں اور بعض موقعوں پر نفس انسانی کا بڑا مصلح ہوتا ہے شیخ اپنے کو یہ تلخ ترجیح بھی تسلیم کرنے پر مجبور پاتے ہیں کہ

اندریں زمانہ گروہے گمشدگان	اس زمانہ میں گمراہوں کا ایک بڑا گروہ
بہ سماع فاسقاں حاضر شوند	پیدا ہوگیا ہے۔ یہ فاسقوں کی محفل
وگویند کہ سماع از حق می کنیم و	سماع میں شریک ہوتا ہے۔ اور کہتا
فاسقاں از آنکہ ایشاں مر	ہے کہ ہم سماع حق کے لیے سنتے ہیں
ایشاں را اندراں موافقت کنند	حالانکہ فاسق اس سے فسق و فجور
بر سماع کردن و بہ فسق و فجور	پر اور زیادہ حریص ہو جاتے ہیں۔
حریص تر شوند تا خود ایشاں ہلاک	یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں برباد
شوند۔ (ص ۳۲۱)	ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ سماع کی غایت تو یہ ہونی چاہیے کہ

فائدہ ایں حکایت آن ست کہ مرید را	مرید کو سماع میں ایسی کیفیت پیدا ہو
اندر غلبۂ سماع حال چندیں بباید کہ سماع	جائے۔ جس سے دوسرے فاسق فسق
دے فاسقاں را ز فسق نجات دہد۔	سے نجات پا جائیں۔

باب ۳ ؎

رسالۃ القشیریہ

(امام ابوالقاسم قشیری)

مصنف

تذکروں میں حالات بہت ہی مختصر ملے۔ اسم گرامی ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری تھا۔ لقب زین الاسلام، مولد خراسان، مدفن نیشاپور

تاریخ ولادت بقول شیخ الاسلام زکریا انصاری شارح رسالہ، ربیع الاول ۳۷۶ھ ہے۔ تاریخ وفات ۱۶ ربیع الثانی ۴۶۵ھ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ عمر اس حساب سے ۸۹ سال کی ہوتی ہے۔

ابھی بچے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم ابوالقاسم یمانی سے حاصل کی۔ یہ عربی زبان و ادب کے ایک نامور استاد تھے۔ خدا رسی کے شوق میں شیخ وقت ابو علی دقاق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ پہلے علوم دینی میں کمال حاصل کرو۔ علم کی تکمیل [illegible] تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فقہ، نحو، شعر وغیرہ جو علوم بھی متداول تھے ان میں [illegible] حاصل کی۔ جن جن استادوں سے استفادہ کیا وہ اپنے وقت کے … ان …

؎ ماخذ: (۱) تذکرۃ الاولیاء۔ عطار ۳ جلد (۲) مدینۃ العلوم قلمی مملوکہ شفاء الملک حکیم [illegible] یابادی

(۳) سفینۃ الاولیاء۔ دارا شکوہ (۴) بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی (مطبوعہ لاہور)

(۵) نفحات الانس جامی (مطبوعہ کلکتہ) (۶) رسالۃ القشیریہ مطبوعہ [illegible]

(۷) تاریخ بغداد خطیب بغدادی، ۱۲ مجلدات مطبوعہ [illegible]

مثلاً ابوالحسن بن بشران، ابونعیم اسفرائنی، ابوبکر طوسی، ابوبکر فورک، ابواسحق اسفرائنی وغیرہم علوم ظاہری سے فراغت کے بعد ابوعلی دقاق کی خانقاہ تصوف و فقر میں قدم رکھا اور ان کی ہی صاحبزادی سے عقد بھی کیا۔

ان کی وفات کے بعد شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی (صاحب طبقات الصوفیہ) سے مستفید ہوتے رہے۔ بیعت شیخ دقاقؒ ہی سے تھی۔ رسالہ میں ان کا ذکر خاص عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ اور ان کے ساتھ لقب استاد کا اضافہ کرتے گئے ہیں۔

تصانیف متعدد چھوڑیں، مختلف فنون پر اور نافعلانہ۔ شیخ ہجویری باوجود معاصرت فرماتے ہیں:۔

"اندرہر فن اورا لطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق"
(کشف المحجوب ص ۱۳۱)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے تصانیف ذیل کی تصریح کی ہے۔

(۱) رسالۃ القشیریہ (۲) نحو القلوب
(۳) ایک عظیم الشان تفسیر القرآن[1] (۴) لطائف الاشارات
(۵) کتاب الجواہر (۶) کتاب احکام السماع
(۷) کتاب آداب الصوفیہ (۸) کتاب عیون الاجوبۃ
(۹) کتاب المناجات (۱۰) کتاب المنتہی

مدینۃ العلوم میں جو فہرست تصانیف دی ہے، وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے۔

عبادت میں تقشف و اہتمام کا اندازہ اس سے ہو کا کہ مرض الموت میں نفلیں تک نہ چھوٹنے پائیں اور نمازیں برابر کھڑے ہو ادا کرتے رہے۔

---

[1] "تفسیرے ست نہایت کلاں و آں بہترین تفاسیر است" (بستان المحدثین)
"هو من احسن التفاسير و اوضحها" (مدینۃ العلوم)
علمائے عصر میں ترجمان القرآن مولانا حمیدالدین فراہیؒ (نظام القرآن) کی زبان سے بھی ایسی ہی تعریف سننے میں آئی ہے۔

سلوک و طریقت میں جو پایہ رکھتے ہیں۔ اس کا حال معاصر بزرگ شیخ ہجویریؒ کی زبان سے سنئے:۔

استاد امام وزین الاسلام	استاد امام وزین الاسلام ابوالقاسم
ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن	عبدالکریم بن ہوازن القشیری اپنے
القشیری اندر زمانہ خود بدیع	زمانہ میں فرد تھے اور بڑے بلند پایہ
بود و قدرش رفیع و منزلتش	ان کی عظمت اور ان کا علم و فضل سب کو
بزرگ و معلوم است اہل زمانہ	معلوم و مسلم ہے۔ ہر فن میں ان کی کتابیں
را روزگار وے و انواع فضلش	اور ان کے مسائل موجود ہیں اور ان کی
واندر ہر فن او را لطائف بسیار	جملہ تصانیف اصل و با تحقیق ہیں۔
است و تصانیف نفیس ہمہ با تحقیق	اللہ تعالےٰ نے ان کے حال اور
و خداوند تعالیٰ حال و زبان وے را از	زبان کو لغو سے پاک کر دیا تھا۔
حشو محفوظ گردانیدہ بود (کشف المحجوب ۱۳۱)	

مدینۃ العلوم کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل، ہمہ داں اور مختلف علوم و فنون کے جامع تھے۔

کان جامعا بین اشتات العلوم. کان فقیہا اصولیا محققا محدثا حافظا متقنا نحویا لغویا کاتبا شاعرا.

منصور حلاج کے حال سے متعلق خود صوفیہ کے گروہ کے اندر دو تین مذہب [illegible] رائے ہے امام قشیری [illegible] کا قول ذیل ان کے باب میں قول فیصل سمجھا گیا ہے:

چنانکہ استاد ابوالقاسم قشیری گفت	اگر وہ مقبول تھے تو [illegible]
در حق او کہ اگر مقبول بود بہ رد خلق	[illegible] مردود نہ ہو جائیں گے اور اگر
مردود نگردد و اگر مردود بود بقبول خلق	مردود تھے تو خلق کے قبول سے مقبول
مقبول نگردد (تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ ص ۱۳۶)	نہ ہو جائیں گے۔

شیخ ابوالحسن خرقانی کی عظمت سے قلب بہت [illegible]

براہ راست روایت کرتے ہیں کہ

از استاد ابوالقاسم قشیری شنیدم	استاد ابوالقاسم قشیری مجھ سے فرماتے
کہ چوں من بہ ولایت خرقان اندر	تھے کہ جب میں علاقہ خرقان میں پہنچا تو
آمدم۔ فصاحتم برمید و عبارتم نماند از	اس بزرگ کی ہیبت ایسی طاری ہوئی کہ
حشمت آں پیر و پنداشتم کہ از ولایت	گویائی جاتی رہی اور تاب گفتگو نہ رہی اور خیال
خود معزول شدم۔ (ص ۱۱۸)	یہ پیدا ہوا کہ ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں۔

یہ قول شیخ فریدالدین عطارؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲۰۰۔

بغداد اس وقت عروس البلاد تھا۔ ۴۴۸ھ میں اپنی عمر کے ۶۲ سال میں وہاں آ... رسالہ اس سے گیارہ سال قبل ۴۳۷ھ میں تصنیف کر چکے تھے۔ بغداد آ کر حدیثوں کی روایت... معاصر مورخ خطیب بغدادی کی روایت ہے۔

قدم علینا فی سنۃ ثمان واربعین واربع مائۃ وحدث ببغداد وکتبنا عنہ۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۱ ص ۸۳)

عقائد میں اشعری اور فقہ میں شافعی تھے۔ ثقہ اور واعظ خوش بیان ہونے کی شہادت بھی اسی معاصر مورخ کی زبان سے موجود ہے۔

کان ثقۃ وکان یقص وکان حسن الموعظۃ وملیح الاشارۃ وکان یعرف الاصول علی مذہب الاشعری والفروع علی مذہب الشافعی (ایضاً)

صاحب کشف المحجوب نے قشیری کے متعدد اقوال اپنے ہاں نقل کئے ہیں۔ ان میں سے دو نمونہ کے طور پر حاضر ہیں :

(۱) مردان اندر فقر و غنا سخن گفتہ اند و	لوگوں کے اقوال فقر و تونگری کے باب میں مختلف
خود را اختیارے کردہ و من آں	ہیں کسی نے ایک کو اپنے لئے اختیار کیا ہے
اختیار کنم کہ حق مرا اختیار کند۔	کسی نے دوسرے کو لیکن میں اسی شے کو
مرا اندر آں نگاہ دارد۔ اگر تونگر	اختیار کئے ہوئے ہوں جو اللہ میرے لئے
دارد م غافل نہ باشم و اگر	اختیار کرے اور جس میں مجھے رکھے۔ اور اگر

درویش خواہدم حریص و معرض بناشم ۔ (ص ۱۸)

تونگر بنا کر رکھے تو غافل نہ ہونگا اور اگر فقیر بنا کر رکھے تو حریص و نافرمان ہو کر نہ رہوں گا۔

(۲) مثل الصوفی کعلة البرسام اوله هذیان وآخره سکوت فاذا تمکنت خرست ۔

صوفی کی مثال مرض برسام کی سی ہے جس کی ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور آخر میں سکوت یعنی جب تم کمال کو پہنچ جاتے ہو تو زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

شیخ عطارؒ کی روایت ہے کہ قشیریؒ سماع کے قائل نہ تھے "نقل است کہ استاد ابوالقاسم سماع را معتقد نبود" (جلد ۲ صفحہ ۲۳۲) لیکن خود رسالہ میں انکار سماع نہیں پایا جاتا۔

عطار ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ استاد ابوالقاسم سماع کے منکر تھے۔ ایک روز شیخ ابوسعید کے سامنے سے گزرے۔ وہاں محفل سماع گرم تھی۔ استاد نے اپنے دل میں کہا جو لوگ یوں [illegible] بار بار [illegible] پھرتے ہیں شریعت میں ان کا تقدم ہونا مستند نہیں۔ اور ان کی [illegible] نہیں۔ شیخ نے اسی وقت ایک شخص کو دوڑایا کہ استاد سے فرمائیے [illegible] ہوئے تھے جو مبارک ہوا [illegible] سوال [illegible]

[illegible]

(جلد ۲ صفحہ ۲۳۲-۲۳۳) [illegible] روایت [illegible]

[illegible] شیخ ابوسعید ابوالخیر [illegible]

قشیری [illegible] مریدوں [illegible]

[illegible]

شیخ ابو سعید کی مجلس میں جانے کا وہ بد نصیب یا مردود ہے۔ اسی شب میں خواب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا حضور کہیں تشریف لیے جا رہے ہیں۔ عرض کی کہ
قدم مبارک کہاں کا قصد ہے۔ ارشاد ہوا کہ "مجلس ابو سعید" کا۔ کہ جو شخص وہاں حاضر نہ ہوگا وہ بد نصیب
یا مردود ہے۔" استاد گھبرا کر بیدار ہوئے اور وہ خود کر کے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ
کر شیخ کی شان و شوکت دیکھی تو پھر آپ پر بدگمانی پیدا ہوئی اور دل میں خیال گزرا کہ شیخ علم و فضل میں مجھ سے
کمتر ہیں [illegible] یہ مقام [illegible] کیونکر ان کو حاصل ہوا۔ شیخ پر استاد کے دل کا خطرہ منکشف ہو گیا
کیے واقعات [illegible] دیا [illegible] کیا۔ اب استاد کے شبہات دور ہو گئے اور طبیعت بالکل صاف
ہو گئی [illegible] صاحب [illegible] ہو گئے۔ استاد [illegible]
ہو گئے۔ [illegible] اپنے پچھلے قول کی تردید کی جس پر [illegible] فرمایا [illegible]
ابو سعید کی مجلس میں حاضر نہ ہو وہ بد نصیب یا مردود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

(۲) ۔ تصانیف

کتاب کا پورا نام رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ہے۔ متاخرین نے اکثر صرف رسالہ کے
نام سے ذکر کیا ہے۔ سال تصنیف کی تصریح خود دیباچہ میں موجود ہے۔ ۴۳۸ھ گویا شیخ
ہجویری کی فارسی کشف المحجوب سے چند سال قبل۔ تصوف کے موجودہ قدیم ذخیرہ میں شہرت
[illegible] اس رسالہ کو حاصل ہے کہ اس کے نصیب میں آیا ہے [illegible]
چند گنے چنے ہی اسے تصوف کی قدیم ترین کتاب سمجھا جاتا تھا۔

رسالہ کی مخاطب ممالک اسلامی کی معاصر جماعت صوفیہ ہے۔

کتبہا الفقیر الی اللہ تعالٰی عبد الکریم	اس رسالہ کو فقیر عبد الکریم بن ہوازن قشیری
بن ہوازن القشیری الی جماعۃ	نے اسلامی ممالک کی جماعت صوفیہ کے
الصوفیۃ ببلدان الاسلام (ص۳)	نام لکھا ہے۔

ارکان جماعت کے نام گویا ایک کھلا خط ہے۔ جس میں مخاطبین سے جا بجا خطاب
بصیغہ جمع حاضر کیا ہے۔ سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ صوفیہ متقدمین دنیا سے رخصت

ہو چکے، ان کے طور طریقے بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے۔ اب بجائے ان کے جو لوگ ہیں اور ان کی نیابت کے مدعی ہیں وہ عبادات کے تارک ہیں اور غفلتوں اور شہوتوں میں مبتلا

اعلموا ان المحققين من هذه الطائفة	اس طبقہ کے جو محققین تھے ان میں سے
انقرض اكثرهم ولم يبق في زماننا	اکثر اٹھ گئے۔ اور ہمارے زمانہ میں ان
هذا من هذه الطائفة الا اثرهم	لوگوں کی بس یاد ہی باقی رہ گئی۔
حصلت الفترة في هذه الطريقة	اصل طریقہ گویا مفقود ہی ہو گیا ہے اور
لا بل اندرست الطريقة بالحقيقة	حقیقت کے سبب ان میں مٹا
مضى الشيوخ الذين كانوا بهم	چکا ہے۔ وہ بزرگ باقی نہ رہے
اهتداء وقل الشباب الذين كان	جن کی راہ پر چلا جائے۔ اور نہ
لهم بسيرهم وسنتهم اقتداء وزال	وہ جوان جن کی سیرت اختیار کی
الورع وطوى بساطه واشتد الطمع	جائے۔ زہد و تقویٰ کی بساط ہی الٹ دی
وقوي رباطه وارتحل عن القلوب	اور حرص و طمع کا دور دورہ [illegible]
حرمة الشريعة فعدوا قلة المبالاة	شریعت [illegible]
بالدين اوثق ذريعة ورفضوا التمييز	[illegible]
بين الحلال والحرام ودانوا بترك	[illegible]
الاحترام وطرح الاحتشام واستخفوا	[illegible]
باداء العبادات واستهانوا بالصوم والصلاة	[illegible] عبادات [illegible]
وركضوا في ميدان الغفلات وركنوا	[illegible]
الى اتباع الشهوات	شہوتوں [illegible]

شرح

[illegible]

جب ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور ستم یہ کہ ان مادی حرکتوں کے باوجود دعویٰ رہبی مشیخت و روحانیت کا قائم رہا۔ اور مخالفین کو حقیقت تصوف سے انکار اور منکرین کو مسلک حقیقت پر اعتراض کے موقعے کثرت سے ملنے لگے تو ایسی حالت میں شیخ کو ضروری معلوم ہوا کہ جماعت کی خدمت میں ایسا رسالہ پیش کیا جائے جس میں صوفیہ متقدمین کے صحیح حالات کا بیان اور ان کے اخلاق وعبادات، عقائد و معلومات وغیرہ کی تفصیل ہو۔

فعلقت هذه الرسالة اليكم اكرمكم الله و ذكرت فيها لبعض سير شيوخ هذه الطريقة في آدابهم و اخلاقهم ومعاملاتهم وعقائدهم بقلوبهم وما اشاروا اليه من مواجيدهم وكيفية ترقيهم من بدايتهم الى نهايتهم لتكون للمريدي هذه الطريقة قوة۔ (ص ۲)	ان حالات میں میں نے یہ رسالہ آپ لوگوں کی خدمت میں لکھا ہے۔ اس میں میں نے شیوخ طریقت کی سیرتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے ان کے آداب، اخلاق، معاملات، عقائد پر روشنی پڑے گی۔ اور ان کے وجد و حال اور ان کی کیفیات ترقی کی جانب اشارے ہیں۔ تاکہ ان کے مطالعہ سے طریقت کے طالبین و سالکین کو قوت حاصل ہو۔

رسالہ مصر میں چھپا ہوا چوڑی تقطیع اور باریک ٹائپ کے ۱۸۶ صفحوں پر آیا ہے۔ ابتداء کے چند صفحات (۳ تا ۷) اعتقاد هذه الطائفة فی مسائل الاصول پر ہیں اور ان میں اصول توحید و مسائل توحید میں قدمائے صوفیہ کے اقوال درج ہیں۔

باب (۱) کا عنوان فی ذکر مشائخ هذه الطريقة وما يدل من سيرهم واقوالهم على تعظيم الشريعة ہے (ص ۳۷)

اس میں اسّی سے کچھ اوپر بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے ملک اور زمانہ میں کامل اور مسلّم صوفی ہوا ہے۔ مثلاً ابراہیم ادھم۔ فضیل عیاض۔ ذوالنون مصری۔ معروف کرخی۔ سہل تستری۔ سری سقطی، بایزید بسطامی۔ یحییٰ معاذ رازی۔ شقیق بلخی۔

جنید بغدادی، وغیرہم اور ان کے اقوال اور اعمال دونوں سے یہ دکھایا ہے کہ شریعت کا کتنا اہم درجہ ان حضرات کی نظر میں تھا۔

سب سے پہلے لفظ تصوف و تاریخ کا بیان چند لفظوں میں ہے۔

ان المسلمین بعد رسول اللہ صلی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے
اللہ علیہ وسلم لم یتسم افاضلہم	لئے مومن کے لئے کوئی لفظ صحابی سے
فی عصرہم بتسمیۃ علم سوی	بڑھ کر پر فخر اور افضل نہیں ہو سکتا تھا
صحبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	چنانچہ اس وقت کے افاضل اسی
اذ لا فضیلۃ فوقہا فقیل لہم	لقب سے موسوم ہوئے۔ اس کے
الصحابۃ ولما ادرک اہل العصر	بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان صحابیوں
الثانی سمی من صحب الصحابۃ	کے صحابیوں کے لئے تابعین کی اصطلاح
التابعین ورأوا ذلک اشرف سمۃ	ہوئی پھر ان کی بھی [illegible]
ثم قیل لمن بعدہم اتباع التابعین ثم	والے تبع تابعین [illegible]
اختلف الناس وتباینت المراتب	کے بعد جب [illegible]
فقیل لخواص الناس ممن لہم	اور لوگ [illegible]
شدۃ عنایۃ بامر الدین الزہاد	[illegible]
والعباد ثم ظہرت البدع وحصل	[illegible]
التداعی بین الفرق فکل فریق ادعوا	[illegible]
ان فیہم زہادا فانفرد خواص اہل	[illegible]
السنۃ المراعون انفاسہم مع اللہ	[illegible]
تعالی الحافظون قلوبہم عن طوارق	[illegible]
الغفلۃ باسم التصوف و	[illegible]
اشتہر ہذا الاسم لہولاء	[illegible]
الاکابر قبل المائتین من	[illegible]

الهجرة - ۱ ص ۱۰)

کی اصطلاح قائم کی اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں پوری نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقہ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص ہوگیا۔

اس کے بعد اکابر طریقت کی حکایتیں اور اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کیا چیز تھی۔ اور اب اس سے موجودہ گدی نشینوں کی رسوم پرستی کو کچھ بھی علاقہ رہ گیا ہے۔

بشر حافی جس پایہ کے امام طریقت گزرے ہیں۔ سب کو معلوم ہے۔ ان کی بابت یہ انہی کی زبانی درج ہے۔

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لی یا بشر تدری لم رفعك اللہ من بین اقرانك قلت لا یا رسول اللہ قال باتباعك لسنتی وخدمتك للصالحین ونصیحتك لاخوانك ومحبتك لاصحابی واهل بیتی هو الذی بلغك منازل الابرار۔ (ص ۱۱)

میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ارشاد ہوا اے بشر تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے تمہارے معاصرین میں تمہاری اتنی عزت افزائی کیوں کی؟ عرض کیا کہ نہیں معلوم۔ ارشاد ہوا کہ میری سنت کی پیروی، صالحین کی خدمت گزاری، اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی اور میرے اصحاب اہل بیت کیساتھ محبت کی بنا پر۔ یہی چیزیں ہیں جنہوں نے تجھے ابرار کے مرتبہ پر فائز کردیا۔

بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس مرتبہ تک کیونکر پہنچے؟ بولے "بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ذریعے سے" انہی بایزید کو شورش و سرمستی کے باوجود اتباع سنت کا اس قدر اہتمام تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے اللہ سے دعا کرنی چاہی کہ مجھ سے کھانے کی خواہش اور عورت کی خواہش کو مردہ کردے۔ معاً یہ خیال آگیا کہ جس شے کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نہیں کیا۔ میں اسے کیوں کر طلب کروں۔ اور اس دعا سے باز رہا۔ اس احترام سنت نبویؐ کا صلہ یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے از خود خواہش نساء کو میرے لئے اس قدر مردہ کر دیا کہ میرے نزدیک دیوار اور عورت برابر ہیں۔ (صفحہ ۱۴)

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے اور سکونت کہاں ہے؟ میں جواب دیتا ہوں کہ میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے۔ انہی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات پیدا نہیں ہوتیں؟ جواب دیا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات ہونے تک دن خیریت سے گزر جائے۔ لوگوں نے کہا کہ دن تو خیریت سے گزرتے ہی رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں خیریت سے مراد لیتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو۔ (صفحہ ۱۶)

شیخ ابوالحسن احمد دارانی سے منقول ہے کہ اتباع سنت نبویؐ [illegible] اگر کوئی [illegible] عمل کیا جائے باطل ہو کر۔ (صفحہ ۱۸)

جنید بغدادیؒ سید الطائفہ کہلاتے ہیں۔ ان کے اقوال ذیل آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:۔

"ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا ہے۔ بلکہ گرسنگی، ترک دنیا اور ترک مرغوبات و مالوفات سے حاصل کیا ہے۔"

"مخلوق پر تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں، بجز اس کے جو سنت نبویؐ کے نقش قدم پر چلا جائے۔"

"ہمارا سارا طریقہ کتاب اللہ و سنت رسول کا پابند ہے۔"

جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول کا عالم نہیں [illegible] باب میں درست نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا [illegible] قرآن و حدیث [illegible] (صفحہ ۱۹)

شیخ داؤد رقیؒ کا قول ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا وہ شخص ہے جو اپنی خواہشات کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے [illegible]

اور اللہ سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کی طاعتوں کو اختیار کیا جائے۔ اور اس کے رسولؐ کی راہ پر چلا جائے۔ (ص ۲۵)

غرض اسی طرح باب میں جتنی حکایات اور اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کا حاصل صرف یہ چند چیزیں ہیں:۔ تعظیم شریعت، علم قرآن وحدیث، اتباع سنت نبوی، ترک لذات، قطع علائق، لزوم عبادات ومجاہدات۔

باب (۲) کا عنوان ہے۔ فی تفسیر الفاظ تدور بین ھذہ الطائفۃ و بیان ما یشکل منھا۔ (ص ۳۱-۵)

اس میں مصطلحات تصوف کی توضیح وتشریح ہے۔ مثلاً وقت، مقام، حال، قبض، بسط، ہیبت، انس، تواجد، وجد، وجود، جمع، فرق، فنا، بقا، غیبت، حضور، صحو و سکر وغیرہ۔

محو واثبات دو ایک تعریفوں کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

المحو رفع اوصاف العادۃ و العبادۃ والاثبات اقامۃ احکام العبادۃ فمن نفی عن احوالہ الخصال الذمیمۃ واتی بدلھا بالافعال والاحوال الحمیدۃ فھو صاحب محو واثبات۔ (ص ۳۹)	محو نام ہے صفات عادی کے ادا ہو جانے کا اور اثبات نام ہے احکام عبادت کے قائم ہو جانے کا۔ بس جس نے اپنے احوال سے صفات بد کو دور کر دیا اور ان کے بجائے افعال و احوال حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ صاحب محو واثبات ہے۔

تلوین وتمکین التلوین صفۃ ارباب الاحوال والتمکین صفۃ اھل الحقائق فما دام العبد فی الطریق فھو صاحب تلوین لانہ یرتقی من حال الی حال ینتقل من وصف الی وصف و یخرج من مرحل و	تلوین اہل حال کی صفت ہے اور تمکین اہل حقیقت کی۔ بندہ جب تک راستہ میں رہتا ہے۔ برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس لئے صاحب تلوین کہلاتا ہے۔ پھر جب راستے

يحصل في مربع فاذا وصل تمكن ۔ (ص۴۱)
نکل کر منزل وصف تک پہونچ جاتا ہے۔ تو اسے تمکین حاصل ہو جاتی ہے۔

شریعت و حقیقت

الشريعة امر بالتزام العبودية والحقيقة مشاهدة الربوبية فكل شريعة غير مؤيدة بالحقيقة فغير مقبول وكل حقيقة غير مقيدة بالشريعة فغير محصول ۔ (ص۴۳)

شریعت نام ہے، التزام حکم عبودیت کا اور حقیقت نام ہے مشاہدہ ربوبیت کا۔ پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے۔ اور جو حقیقت شریعت کی پابند نہیں وہ لاحاصل ہے۔

اس کے بعد احوال، مقامات و مسائل تصوف سے متعلق جتنے اہم عنوانات ہو سکتے ہیں سب پر الگ الگ ایک باب باندھا ہے اور اس پر قرآن مجید، احادیث رسول اور اقوال اکابر سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ ان بابوں کی تعداد پچاس ہے (ص۴۵ تا ۱۵۱) چند عنوانات ملاحظہ ہوں:۔

باب التوبة ۔ باب المجاهدة ۔ باب الحزن ۔ باب الجوع وترك الشهوة ۔ باب مخالفة النفس ۔ باب الحسد ۔ باب القناعة ۔ باب الذكر ۔ باب الجود والسخا ۔ باب الغيرة ۔ باب الصحبة ۔ باب السماع ۔

یہ تمام باب اختصار کے باوجود جامعیت کا وصف رکھتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر باب کا آغاز قرآن مجید ہی کی کسی آیت سے ہوتا ہے اور یہ گویا ایک عملی دلیل ہے مصنف کے اس دعویٰ کی کہ سلوک کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے۔ چند ابواب کی ابتدائی آیات ملاحظہ ہوں۔

باب الحزن ۔ قال الله عزوجل وقالوا الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن ۔

باب التقوى ۔ قال الله تعالى ۔ ان اكرمكم عند الله اتقاكم ۔

باب اليقين ۔ قال الله تعالى ۔ والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون ۔

باب الصبر۔ قال اللہ تعالیٰ۔ واصبر وما صبرك الا باللہ۔

باب الفتوۃ۔ قال اللہ تعالیٰ۔ انهم فتية آمنوا بربهم وزدناهم هدى۔

باب الحیاء۔ قال اللہ تعالیٰ۔ الم یعلم بان اللہ یری۔

ان عنوانی آیتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کو قرآن مجید سے استنباط نکات میں ملکہ حاصل تھا۔ آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی کو رکھا ہے اور جس بابت متعلق کوئی صریح و واضح آیت قرآنی نہ ملی وہاں سے حدیث سے شروع کیا ہے اور یوں عملاً بھی ظاہر کر دیا کہ تصوف اسلامی کے ماخذوں میں قرآن مجید کے بعد دوسرا درجہ حدیث رسول کا ہے۔

کتاب کا باب (۵۱) باب السماع پر ختم ہوتا ہے۔

باب (۵۲) اثبات کرامات الاولیاء پر ہے۔ (ص ۱۵۸-۱۷۰)

یہ باب متعدد فصلوں میں تقسیم ہے اور ان میں کرامت کے امکان و وقوع، شرائط و قوع وغیرہ پر گفتگو ہے۔

باب (۵۳) کا عنوان باب رؤیا النوم ہے (ص ۱۷۵-۱۹۰)

اس میں آیت نوم، رؤیائے صالحہ، پریشان خوابی اور مسائل متعلقہ پر تفصیلی بحث ہے۔

باب (۵۴) باب وصیۃ للمریدین ہے۔ (ص ۱۹۰-۱۹۶)

کتاب کا سب سے بڑھ کر قابل غور باب یہی ہے اور اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم بھی، کہ سابق کے ابواب میں تو عموماً اقوال و حکایات کی نقل پر اکتفا کی گئی ہے لیکن اس باب میں شیخ نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مریدین و طالبین کے لئے کچھ ہدایتیں اور نصیحتیں تحریر کی ہیں۔ اس باب کو کتاب کا خلاصہ یا نچوڑ اور مکتب تصوف کا دستور العمل سمجھنا چاہیئے۔

یہ باب چھوٹی چھوٹی فصلوں میں تقسیم ہے اور ہر فصل میں کسی اہم حقیقت یا نصیحت کو مختصر لفظوں میں قلمبند کر دیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ف، و بناء هذا الامر وملاكه على حفظه آداب الشريعة وصون اليد عن المد الى الحرام والشبهة — تصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی رہے، حرام و مشتبہ چیزوں سے دست کشی کی جائے

وحفظ الحواس عن المحظورات	ناجائز اوہام وخیالات سے حواس کو آلودہ
وعد الانفاس مع الله تعالیٰ	نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر
من الغفلات۔ (ص ۱۵)	اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کی جائے۔
(ب) ومن شان المريد دوام المجاهدة	مرید کو ترک شہوات کے مجاہدہ میں
فی ترک الشهوات فان من وافق شهوته	دائما مشغول رہنا چاہیئے۔ خواہشوں کی
عدم صفوته واقبح الخصال	پابندی اور روح کی پاکیزگی کا ساتھ
للمريد رجوعه الی شهوة	نہیں ہوسکتا اور مرید کے لئے بدترین
ترکها لله تعالیٰ (ص ۱۶)	پستی ہے کہ جس خواہش کو اللہ کیلئے چھوڑ دیا ہو
	اس کی جانب پھر رجوع کرے۔
(ج) ومن شان المريد حفظ عهوده	طالب کو اس کی بڑی احتیاط چاہیئے کہ جو
مع الله تعالیٰ فان نقض العهد	[illegible] بات کا عہد اللہ تعالیٰ سے کرے
فی طريق الارادة کالردة عن الدين	اسے نہ توڑے کہ حقیقت میں نقض عہد [illegible]
لاهل الظاهر۔ (ص [illegible])	[illegible]
(د) ومن شان المريد قصر الامل	طالب کو چاہیئے کہ دامان آرزو [illegible]
فان الفقير ابن وقته فاذا کان	چھوٹا [illegible]
له تدبير فی المستقبل وتطلع	[illegible]
لغير ما هو فيه من الوقت وامل	[illegible]
فيما يستانفه لا يجیء منه شیء	[illegible]
(ه) ولا ينبغی للمريد ان يعتقد	[illegible]
فی المشايخ العصمة بل الواجب ان	[illegible]
يذرهم واحوالهم فيحسن بهم الظن	[illegible]
(و) ومن شان المريد التباعد عن	[illegible]
ابناء الدنيا فان صحبتهم سم	[illegible]

مجرب لانھم منتفیعون بہ وھو	سمجھنا چاہئے۔ زاہد تقرب الٰہی کے لئے
ینتقص بھم وان الزھاد یخرجون	مال کو اپنے پاس سے دور کرتے رہتے
المال عن الکیس تقربا الی اللہ تعالٰی	ہیں اور صوفی تحقق الٰہی کی غرض سے
واھل الصفاء یخرجون الخلق والمعارف	خلائق سے اپنے قلب کو خالی کرتے
من القلب تحققا باللہ تعالٰی۔ (ص۱۶۲)	رہتے ہیں۔

(ز) خوش گل لڑکوں اور مردوں سے دوستی آج کل کی نہیں۔ اس زمانہ کا یہ مرض ہے۔ جائز کرنے والوں کو نفس نے عجب عجب تاویلیں سمجھا دی ہیں۔ شیخ کی تحقیق ہیں۔

اصعب الآفات فی ھذہ الطریقۃ۔	یہ سخت ترین خطرۂ راہ ہے۔

شیخ اس پر بہت زور سے متنبہ کرتے ہیں اور ڈراتے ہیں کہ بالفرض سالک رتبہ شہدا تک پہنچ گیا ہو۔ تو اس عمل کی بے برکتی سے سب کچھ چھین جاتا ہے اور اس کی پوری طرح رسوائی ہو کر رہتی ہے۔ ذیل میں ان کے بیان کی صرف دو ابتدائی سطریں بلا ترجمہ درج کی جاتی ہیں۔

ومن اصعب الآفات فی ھذہ الطریقۃ صحبۃ الاحداث ومن ابتلاہ اللہ تعالٰی بشئی من ذالک فباجماع الشیوخ ذالک عبد اھانہ اللہ عزوجل وخذلہ بل عن نفسہ شغلہ ولو بالف الف کرامۃ اھلہ وھب انہ بلغ رتبۃ الشھداء۔ (ص۱۸۰)

باب ۴ لہ

فتوح الغیب

(شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانیؒ)

۱۔ مصنف

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صوفیۂ کرام کے سارے سلسلوں میں شہرت عام اور مقبولیت تام سب سے زیادہ کس کے حصہ میں آئی ہے تو تعجب نہیں کہ متفقہ طور پر نام حضرت شیخ جیلانیؒ [illegible] زبانوں پر آ کر رہے۔ دوسرے بزرگوں کے حلقے بہت محدود ہیں، شیخ جیلانی کا نام خاص و عام سب کی زبان پر ہے۔ مختلف ناموں اور تعظیمی لقبوں کے ساتھ "غوث اعظم"، "محبوب سبحانی" وغیرہ متعدد چلتے ہوئے نام اور لقب ہیں۔ آپ کا زمانہ قدماء صوفیہ کا آخری زمانہ تھا اس لئے بھی آپ کے ارشادات اور زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔

اسم مبارک عبدالقادر تھا، کنیت ابو محمد، محی الدین لقب قرار پایا۔ متاخرین نے اپنی عقیدت سے متعدد القاب کا اضافہ کر دیا۔

سیادت نسبی دونوں طرف سے حاصل تھی۔ والد ماجد کی طرف سے سلسلۂ نسب حضرت حسنؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سیدنا حضرت حسینؓ [illegible]

لہ ماخذ: (۱) [illegible] المعاصرین العالیہ فی فضل مشائخ الصوفیہ [illegible] (۲) [illegible] فی مناقب شیخ عبدالقادر، از محمد بن یحییٰ تاذفی (۳) الطبقات الکبریٰ از شیخ عبدالوہاب شعرانی (۴) اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۵) نفحات الانس از جامی (۶) سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ (۷) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ عبدالقادر۔

نام کے ساتھ سید حسنی و حسینی لکھا جاتا ہے۔ سایۂ پدری بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔

ولادت باختلاف روایت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ مولد نواح طبرستان میں قصبۂ جیلان ہے۔ اسی کو گیل و گیلان بھی کہتے ہیں۔ سال وفات میں کوئی اختلاف نہیں ۵۶۱ھ ہے۔ عمر شریف ۹۰ سال کی ہوئی۔ ماہ ربیع الثانی بھی سب کو مسلم ہے۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ ۹ ربیع الثانی، ۱۰ ربیع الثانی، ۱۱ ربیع الثانی، ۱۳ ربیع الثانی، ۱۷ ربیع الثانی سب نقل ہوئی ہیں۔ داراشکوہ نے ان سب کو چھوڑ کر ۹ ربیع الثانی کو اختیار کیا ہے۔ ۱۸ سال کی عمر میں بغداد آ گئے۔ عمر کا بیشتر حصہ یہیں گزرا۔ یہیں وفات پائی، یہیں مدفون ہوئے۔

سلسلۂ تعلیم کی ابتداء قرآن مجید سے ہوئی۔ حفظ کیا۔ پھر ادب و فقہ و حدیث کی تعلیم اور باضابطہ تکمیل اپنے زمانہ کے کامل استادوں اور ماہرین فن سے کی۔ نظر کی وسعت اور علم کے تبحر کی گواہ خود آپ کی دونوں کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں۔ فقہ میں مسلک احمد بن حنبل پر چلتے۔ تدریس، فتویٰ نویسی اور وعظ گوئی کے مشغلے سالہا سال جاری رہے۔ ایک بڑے گروہ نے علوم ظاہری میں شاگردی کی۔ استفتے دور دور سے آتے۔ آپ برجستہ جواب تحریر کرا دیتے۔

طریق باطنی کی تعلیم شیخ حماد، قاضی ابو سعید مبارک مخزومی اور شیخ ابو یوسف یعقوب ہمدانی سے پائی۔ شیخ خرقہ قاضی ابو سعید مخزومی تھے۔ شیخ صحبت شیخ حماد۔ سب سے نسبت ارادت براہ راست سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ اور اہل تذکرہ کا بیان ہے کہ انوار و فیوض کا نزول براہ راست خواجہ عالم کی سرکار سے ہوتا تھا۔

تذکروں میں کرامت اور خرق عادت کے واقعات اس کثرت سے مذکور ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کے ہوں۔ امام یافعی کہتے ہیں کہ شیخ کی کرامتوں کی تعداد حد شمار سے خارج ہے اور اکثر تواتر یا تقریباً تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

داراشکوہ کے الفاظ، بہت کچھ لکھنے کے باوجود یہ ہیں۔

اگرچہ از آنحضرت در ایام حیات	حضرت سے جو واقعات زندگی میں صدور
بظہور رسیدہ و آنچہ الحال نیز	میں آتے رہے اور جو آج بھی مشاہدہ

مشاہدہ نمودہ می شود و می گفتم کتاب کلانے می شود۔	میں آرہے ہیں۔ ان سب کو جمع کیا جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے۔

شیخ عبدالحق دہلوی، حضرت کے ایک معاصر بزرگ شیخ علی ہیتی کی شہادت نقل کرتے ہیں کہ

ندیدم ہیچ یکے از اہل زمان خود را اکثر الکرامات از شیخ عبدالقادر ہر وقت ہر کہ از خواہد کہ از وے کرامتے مشاہدہ کند می کند و خوارق ظاہر گردد گاہے از وے گاہے در وے گاہے بوے۔	انھوں نے اپنے زمانہ میں کسی کو شیخ عبدالقادر سے بڑھ کر صاحب کرامت نہیں پایا۔ جس وقت جو ان سے کرامت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ خرق عادت کبھی خود انہی سے ظاہر ہوتی ہے، کبھی ان کے متعلق اور کبھی ان کے ذریعہ سے۔

آپ کی والدہ ماجدہ ایک ایسی کرامت کا ذکر کرتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولایت مادرزاد تھی۔ فرماتی ہیں کہ [illegible] دن میں دودھ نہیں پیتے تھے۔ اتفاق سے ۲۹ شعبان کو ابر تھا۔ چاند دکھائی نہ دیا۔ [illegible] اس بچہ نے دودھ نہ پیا۔ آخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا تھا [illegible]

ایک دوسری روایت ہے کہ بچپن میں [illegible] [illegible] دنیا میں اس غرض سے نہیں بھیجے گئے [illegible] [illegible] جب پوچھا۔ کل واقعہ ان سے بیان کیا [illegible] علم [illegible] اس دنیا [illegible] [illegible]

نہ چھوڑنا۔ جاؤ تمہیں اللہ کو سونپا۔ اب قیامت کے دن دیکھنے کو ملو گے۔"

راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا۔ ہر شخص مال چھپانے، جان بچانے کی فکر میں ہوا۔ اس سعادت مند فرزند اور اللہ کے برگزیدہ بندہ نے صاف صاف اپنے پاس کی مالیت کو بیان کر دیا۔ قزاق راست بازی اور دیانت کی اس کرامت پر دنگ رہ گئے۔ آخر اپنے پیشہ سے تائب ہو کر داخل بیعت ہوئے۔

منزل صدق میں شاید اسی قیام و استقامت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آگے چل کر وہ مرتبہ اعظم حاصل ہوا جو مقام صدیقیت کے لئے مخصوص ہے اور رہروؤں کے لئے تو کیا۔ اچھے اچھے رہبروں اور رہنماؤں تک کے لئے باعث رشک۔ فرماتے تھے کہ جب تک ہنسنے کا حکم نہیں ملتا نہیں ہنستا ہوں۔ جب تک کھانے کا حکم نہیں ملتا، نہیں کھاتا ہوں۔ جب تک بولنے کا حکم نہیں ملتا نہیں بولتا ہوں۔

تصانیف متعدد چھوڑیں۔ مندرجۂ ذیل یا تو خود موجود ہیں یا ان کے نام دوسری کتابوں میں محفوظ ہیں۔

(۱) غنیۃ الطالبین — فقہ حنبلی کی مشہور کتاب

(۲) فتوح الغیب — فن سلوک پر

(۳) الفتح الربانی — مجموعہ مواعظ

(۴) جلاء الخاطر
(۵) الیواقیت والحکم
(۶) الفیوضات الربانیہ
(۷) حزب بشائر الخیرات
(۸) المواہب الرحمانیہ

(۴ تا ۸) یہ سب نام مارگولیتھ نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مقالہ "عبدالقادر محی الدین جیلانی" کے تحت درج کئے ہیں۔

مارگولیتھ جس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب کتابیں شیخ کے فضل و کمال تفقہ فی الدین اور تبحر علمی کی زبردست گواہ ہیں۔

بادشاہوں سے ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص تحفہ لے آتا تو قبول فرما لیتے، اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم فرما دیتے، ایک روز خلیفۂ وقت المستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کئے، حسب معمول انکار فرمایا، ادھر سے اصرار بڑھا، شیخ نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور دوسرا بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دونوں کو رگڑا، تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا، خلیفہ سے ارشاد ہوا کہ اللہ سے شرم نہیں آتی، کہ انسان کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر کر کے میرے پاس لاتے ہو، راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ پر اتنا اثر پڑا کہ غشی کی نوبت آ گئی،

خلیفۂ وقت یا کسی صاحب ثروت کے ہاں جانے کی عادت نہ تھی، اور [illegible] کی تعظیم فرماتے، اگر خلیفہ کی آمد سنتے تو اندر دالان کے اندر تشریف لے جاتے، اور پیچھے باہر نکل کر آتے، تا کہ خلیفہ کی تعظیم کے لئے اٹھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو، جب خلیفہ سے [illegible] مبارک کی ضرورت پیش آتی، تو یوں تحریر فرمایا جاتا، کہ عبدالقادر کا حکم ہے [illegible] اور اس کا ارشاد تیرے اوپر نافذ ہے، خلیفہ ان تحریروں کو [illegible] اور آنکھوں پر رکھ لیتا،

صحیفۂ زندگی کی ہر سطر احکام شریعت کے مطابق و موافق تھی، وفات کے قریب آپ نے جو قرآن مجید اور سنت کے مطابق مکتوب تحریر فرمائے تو نبی ای [illegible] اور وصیت ہے، [illegible] سب سے زیادہ زور پابندی شریعت اور پیروی سنت پر دیا، وفات کے وقت [illegible] عمر کا مجموعہ تھا، بڑے صاحبزادے سیف الدین عبدالوہاب نے وصیت کی درخواست کی [illegible] فرمایئے، ارشاد ہوا،

عليك بتقوى الله وطاعته ولا	[illegible]
تخف احدا ولا ترج الا الله وكل حوائج	[illegible]
الى الله واطلبها منه ولا تثق	[illegible]
باحد سوى الله ... التوحيد	[illegible]
التوحيد التوحيد اجماع الكل	[illegible]
	[illegible]

عبادتوں اور ریاضتوں کی کثرت کا اندازہ ان روایتوں سے ہو سکتا ہے کہ چالیس سال تک عشار کے وضو سے نماز فجر ادا کی، پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشار پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے پچیس سال تک صحرا میں اس تنہائی سے بسر کی کہ انسان کی شکل ہی نہیں دیکھی،

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا جو دیکھتے دیکھتے سارے افق پر چھا گیا، اس میں سے آواز آئی۔ "اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں، میں نے تیرے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا" میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھ کر کہا دور ہو ملعون، بس وہ نور تاریکی میں تبدیل ہو گیا اور اس میں سے آواز آئی "عبدالقادر تو اپنے علم کی قوت سے مجھ سے بچ گیا، ورنہ میں تجھ جیسے ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں" میں نے کہا ملعون تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، کہتا ہے کہ تم اپنے علم کی قوت سے بچ گئے، حالانکہ مجھے بچانے والی میری کوئی بھی قوت نہیں، محض اللہ کا فضل وکرم ہے "

ذوق عبادت اور غلبۂ خشوع وتواضع کا اندازہ گلستاں کی حکایت ذیل سے ہو گا۔

عبدالقادر جیلانی را دیدند رحمۃ اللہ	عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ کو لوگوں نے
علیہ در حرم کعبہ روے بر حصا	دیکھا، آپ حرم شریف میں
نہادہ بود و می گفت اے خداوند	سنگریزوں پر منہ رکھے ہوئے عرض کر
ببخشائے واگر مستوجب عقوبتم	رہے تھے کہ اے خداوند مجھے بخش دے،
مرا بہ روز قیامت نابینا برانگیز	اور اگر میں لائق عذاب سمجھا جاؤں تو
تا در روے نیکاں شرمسار نباشم	قیامت کے دن مجھے نابینا اٹھانا تاکہ تیرے
(باب ۲ حکایت ۳)	نیک بندوں کے سامنے
	شرمندہ نہ ہوں

صاحب گلستان شیخ سعدیؒ کا زمانہ حضرت جیلانیؒ سے کچھ ہی بعد کا تھا، اور شیخ حضرت گیلانیؒ کے ایک واسطہ سے مرید بھی تھے، یعنی شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، اور حضرت سہروردیؒ حضرت گیلانیؒ کے خلیفہ تھے۔

۲۔ تصنیف

فتوح الغیب آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال سے اُدھر دنیا کے لیے خود پردہ غیب میں تھی شیخ سیف الدین عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۱ھ) جب فریضہ حج ادا کرنے گئے تو مکہ معظمہ میں ایک نسخہ اس کتاب کا انہیں شیخ عبدالوہاب المتقی قادری کے ہاں ان کی نظر سے گذرا، ہندوستان واپس آئے تو ایک دوسرا نسخہ بھی انہیں مل گیا، فتوح الغیب عربی میں تھی شیخ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، کہ وہی اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان تھی، اور مفتاح الفتوح کے نام سے شرح بھی لکھی فتوح الغیب کا موجودہ مطبوعہ نسخہ شیخ ہی کے ترتیب و تہذیب دیئے ہوئے نسخہ کی نقل ہے، لکھنؤ اور لاہور سے ان کی شرح کے ساتھ شائع ہوئی ہے،

کتاب حمد و نعت کے بعد اٹھہتر مختصر مقالوں میں تقسیم ہے، آخر میں چند ورق مصنف کے حالات، مرض، وفات وغیرہ سے متعلق مرتب نے اضافہ کئے ہیں،

(۱) مقالہ اول (صفحہ ۱۰۹) تعمیل اوامر، اجتناب نواہی و رضا بالقضا پر ہے، فرماتے ہیں

لا بد لكل مومن في سائر احواله	ہر مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین
من ثلثة اشياء امر يمتثله و	چیزیں لازمی ہیں، ایک یہ کہ حکم الٰہی
نهى يجتنبه وقدر يرضى به	کی تعمیل کرے، دوسرے یہ کہ نواہی سے
فاقل حالة لا يخلو المؤمن	بچتا رہے، تیسرے یہ کہ قضائے الٰہی پر
فيها من احد هذه الاشياء الثلاثة	راضی رہے، پس مومن کے لئے کم سے کم
	مرتبہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے

(۲) مقالہ دوم (صفحہ ۱۳) اتباع سنت و ترک بدعت پر ہے، آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے

اتبعوا ولا تبتدعوا واطيعوا و	پیروی سنت کرو اور بدعت نہ ایجاد کرو
لا تمرقوا ووحدوا ولا تشركوا	[illegible]
ان يفعل الله ما يشاء ويحكم ما	[illegible]
يريد ونزهوا الحق ولا تتهموا	[illegible]

وصدقوا وتشکروا واصبروا	وہی جو کچھ چاہتا ہے اپنی مشیت سے کرتا ہے
ولا تجزعوا واجتمعوا علی	اس کو ہر عیب سے پاک سمجھو اور اس پر تہمت نہ
الطاعۃ ولا تتفرقوا۔	لگاؤ، اور تصدیق (اسلام) کرو اور شکر کیا کرو
	صبر سے کام لو اور بے صبری نہ کرو، طاعت حق
	پر جمے رہو اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔

آگے چل کر اس مقالہ میں یہ تعلیم ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت کے دور کرنے میں تاخیر نہ کرو، اور شب و روز استغفار تقصیر اور رجوع الی اللہ کرنے کو اپنے اوپر لازم سمجھو۔

(۳) مقالہ سوم (صفحہ ۱۴-۱۸) اس بحث سے متعلق ہے کہ ابتلا و مصیبت سے بندہ کے لئے مقصود کیا ہوتا ہے۔

اس میں بڑی خوبی اور صحت کے ساتھ سالک کی نفسیت کی تشریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ جب انسان پر کسی قسم کا دکھ درد وارد ہوتا ہے تو سب سے پہلے تو وہ اپنی ذاتی قوت و تدبیر سے اس کے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس میں کامیاب نہیں ہوتی تو خلق کی جانب رجوع کرتا ہے، مثلاً سلاطین، امراء، اہل ثروت وغیرہ سے، یا بیمار ہے تو اطبا کی جانب رجوع کرتا ہے، جب اس میں بھی ناکام ہو چکتا ہے تو پروردگار عالم کی درگاہ میں دعا و تضرع کے ذریعہ سے حاضر ہوتا ہے، انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک وہ خود دفع مضرت پر قادر ہے، خلق سے بے نیاز رہتا ہے، جب اپنے تئیں مجبور پاتا ہے، تو خلق کے سامنے دست اعانت دراز کرتا ہے، جب ادھر سے بھی سہارا نہیں رہتا تو خالق کے آستانہ پر جبین نیاز رگڑتا ہے، اور نہایت خشوع و خضوع الحاح وزاری کے ساتھ کبھی امیدوارانہ، کبھی مایوسانہ دعا میں مشغول ہو جاتا ہے، جب مشیت الٰہی اس کو اس میں بھی ناکام رکھتی ہے، اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی تو رفتہ رفتہ اس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ہو جاتے ہیں، اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ہو جاتا ہے، اس وقت وہ تعلقات سے آزاد، روح مجرد رہ جاتا ہے، اور اوصاف بشریت، ارادہ، ہوس، خواہش، آرزو وغیرہ اس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس وقت اسے انتہائی صفائی باطن اور نورانیت قلب حاصل ہو جاتی ہے کہ اسے ہر فعل کی فاعل ذات خالق ہی نظر آنے لگتی ہے، اور یہ یقین شہودی حاصل ہو جا

ہے کہ تمام موجودات میں فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر راحت وسکون، ہر خیر وشر، ہر سود وزیاں، ہر عطا وبخل، ہر کشایش وبندش، ہر موت وحیات، . . . . . . ہر عزت و ذلت، ہر تونگری وافلاس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قادر مطلق ہی کی قدرت کا ایک ظہور ہے تا آنکہ یہ سلسلہ معرفت کمال پر جا کر منتہی ہوتا ہے، یعنی بندہ کو ہر شے کا مبدا اور مرجع ذات خداوندی ہی محسوس ہونے لگتی ہے، اسرار قدرت اس پر روشن ہونے لگتے ہیں، وہ خالق ہی کے کان سے سنتا ہے، اسی کی حمد وثنا، شکر ودعا میں لگ جاتا ہے۔

اب ذیل میں باقی پچھتر بابوں میں سے جستہ جستہ کے صرف عنوانات ملاحظہ فرمائیے اوپر کے مختصر تعارف کے بعد یقین ہے کہ محض "الفاظ" سے "مضمون" کا اندازہ ہو جائے گا۔

(٤) المقالة الرابعة في مراتب الموت عن الخلق والهوى والارادة۔ (صفحہ ۱۵)	چوتھا باب۔ مخلوقات اور خواہش اور ارادہ کی طرف سے فنا کے مراتب میں۔
(٥) المقالة الخامسة في تشبيه حال الدنيا واشتغال اهلها بها۔ (صفحہ ۲۲-۲٦)	پانچواں باب۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف اہل دنیا کی مشغولیت کی مثال میں۔
(٦) المقالة السادسة في الفناء عن الخلق والهوى۔ (صفحہ [illegible])	چھٹا باب۔ مخلوقات اور خواہش سے بے نیازی کے بیان میں۔
(٩) المقالة التاسعة في بيان الكشف والمشاهدة۔ (صفحہ ۲٦)	نواں باب۔ کشف ومشاہدہ کے بیان میں۔
(١٠) المقالة العاشرة في بيان [illegible] النفس۔ (صفحہ ۲٦)	دسواں باب۔ [illegible] بیان میں۔
(١٣) المقالة الثالثة عشر في التعليم على فعل الله وقدرته۔ (صفحہ [illegible])	تیرہواں باب۔ قضا [illegible] تسلیم ورضا کے بیان میں۔
(١٦) المقالة السادسة عشر في [illegible]	سولہواں باب۔ مخلوقات [illegible]

عن الاعتماد على الخلق والاسباب۔ (ص ٩٣-١٠٠)	پر تکیہ کرنے سے ممانعت کے بیان میں۔
(١٧) المقالة السابعة عشر فی معنی الوصول الی اللہ سبحانہ۔ (ص ١٠١)	سترہواں باب۔ وصول الی اللہ کے معنی کے بیان میں۔
(١٨) المقالة الثامنة عشر فی بیان معنی الرضاء۔ (ص ١٠٨-١١٥)	اٹھارہواں باب۔ رضا کے معنی کے بیان میں۔
(٢٣) المقالة الثالثة والعشرون فی بیان القناعة۔ (ص ١٢٣-١٣٧)	تیئسواں باب۔ قناعت کے بیان میں۔
(٢٧) المقالة السابعة والعشرون فی بیان الخیر والشر۔ (ص ١٥٨-١٦٩)	ستائیسواں باب۔ خیر و شر کے بیان میں۔
(٣٨) المقالة الثامنة والثلثون فی بیان الصدق والاخلاص فی سبحانہ تعالیٰ۔ (ص ٢٢٧-٢٢٨)	اڑتیسواں باب۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدق و اخلاص رکھنے کے بیان میں۔
(٤٨) المقالة الثامنة والاربعون فی حماقة من اشتغل بالنوافل وعلیہ فرائض۔ (ص ٢٤٢-٢٤٥)	اڑتالیسواں باب۔ اس شخص کی حماقت کے بیان میں جس پر فرائض باقی ہوں اور وہ نوافل میں مشغول ہو جائے۔
(٥٠) المقالة الخمسون فی الزهد (ص ٢٧٩-٢٨٣)	پچاسواں باب۔ زہد کے بیان میں۔
(٦١) المقالة الحادی والستون فی بیان الورع والتقوی۔ (ص ٣٣١-٣٣٦)	اکسٹھواں باب۔ پرہیزکاری اور تقویٰ کے باب میں۔
(٦٣) المقالة الثلثة والستون فی بیان الاخلاص والریا (ص ٣٤٥)	ترسٹھواں باب۔ اخلاص اور ریاکاری کے بیان میں۔
(٧١) المقالة الحادی والسبعون فی	اکہترواں باب۔ مصیبتوں پر صبر کے

الصبر مع البلاء - (ص ۳۷۹-۳۸۴)	بیان میں۔
(۷۸) المقالة الثامنة والسبعون فی بیان الخصال العشرة لارباب المحاسبة والمجاهدة (ص ۴۰۶ و ۴۱۸)	اٹھتروان باب - اہل محاسبہ و مجاہدہ کی دس خصلتوں کے بیان میں۔

اب ذیل میں متفرق مقامات سے جا بجا اقوال و تعلیمات ملاحظہ کرتے چلیے۔

باب ۵۵ میں شیخ اپنے فرزند کو وہ دستور العمل بتاتے ہیں جس سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے۔ تمامتر تاکید ہے پابندی شریعت کی اور ضبط نفس اور مجاہدہ اور ادائے حقوق عباد کی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اوصيك بتقوى الله وطاعته ولزوم ظاهر الشرع وسلامة الصدر وسخاء النفس وبشاشة الوجه وبذل الندى وكف الاذى وحمل الاذى والفقر وحفظ حرمات المشايخ وحسن العشرة مع الاخوان والنصيحة للاصاغر وترك الخصومة مع الارفاق وملازمة الايثار ومجانبة الادخار۔ (ص ۳۹۵-۳۹۶)	میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اور طاعت اختیار کرو۔ اور احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو اور سینہ کو نجاست نفس سے صاف رکھو اور نفس میں جو فروتنی رکھو۔ اور کشادہ رو رہو۔ اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو۔ ایذا دہی سے باز رہو اور خود ایذا اور فقر کا تحمل کرتے رہو اور آداب درویشی ملحوظ رکھو اور بزرگوں کی بزرگ داشت کرتے رہو اور برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو اور خردوں کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جھگڑا نہ کرو اور ایثار اختیار کرو اور ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کرتے رہو۔

فقر کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرمادی ہے:

وحقيقة الفقر ان لا تفتقر الى من هو مثلك۔ (ص ۳۱۶)	فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے جیسے کسی کے محتاج نہ رہو۔

طاق آتو ن اتصاف کس طرح انسان کے لئے ممکن ہے؟

والتصوف ما اخذ من القیل و	قیل وقال ، بحث وگفتگو سے نہیں
القال ولکن اخذ من الجوع	بلکہ گرسنگی سے اور دنیا کی خوشگوار و
وقطع المعروفات والمحتسنات۔	محبوب اشیا کے ترک سے۔

طریقت کی بنیاد کار ان آٹھ خصلتوں پر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی ہوا ہے، ان کے نقش قدم کی پیروی طالب سالک کے لئے ناگزیر ہے۔

التصوف مبنی علی ثمان خصال	تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔
السخا لابراهیم والرضا لاسحٰق	سخاوت ابراہیمؑ پر، رضا اسحاقؑ پر،
والصبر لایوب والاشارة لزکریا	صبر ایوبؑ پر، مناجات زکریاؑ پر،
والغربة لیحیٰ ولبس الصوف	غربت یحییٰؑ پر، خرقہ پوشی موسیٰؑ پر،
لموسیٰ والسیاحة لعیسیٰ والفقر	تجرد عیسیٰؑ پر اور فقر محمد
لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔	صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ ایک پیر مرد آپ سے دریافت کر رہے ہیں کہ بندہ کو اللہ سے قریب کرنے والی کون سی چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شے قرب الٰہی پیدا کرتی ہے اس کا ایک درجہ ابتدائی ہے اور ایک انتہائی۔ درجۂ ابتدائی ورع (ممنوعات شرعی سے احتراز) ہے اور درجہ انتہائی رضا و تسلیم و توکل۔ (صـ۲۶۳)

لوگوں نے مدت سے ساری توجہ کا مرکز اوراد و اشتغال یا نوافل کو بنا رکھا ہے اور فرائض و واجبات کو گویا بھلا دیا ہے اور اسی کو درویشی سمجھ رہے ہیں۔ ایسے کم فہم آپ کے زمانہ میں بھی تھے، لیکن آپ کا ارشاد ہے:۔

ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً	مومن کو چاہیے کہ سب سے پہلے فرائض
بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل	پر توجہ کرے جب یہ ادا کر چکے تب سنتوں
بالسنن ثم یشتغل بالنوافل فمن	کو اختیار کرے اس کے بعد نوافل پر متوجہ
لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال	ہو، لیکن جو شخص ابھی فرائض ہی سے
بالسنن حمق ورعونة فان	فارغ نہیں ہوا ہے اس کے لئے سنتوں

الشتغل بالسنن والنوافل قبل	میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی ہے اسلئے
الفرائض لم يقبل منه واهين	کہ ادائے فرائض کے بغیر سنن و نوافل غیر مقبول
(ص ۲۷۴)	رہیں گے اور جو شخص ایسا کرے گا خوار ہوگا۔

فرائض کو چھوڑتے ہوئے سنن و نوافل میں مشغول ہونے والے کی

فمثله كمثل رجل يدعوه الملك	مثال اس شخص کی سی ہے
الى خدمته فلا يأتي السيد	کہ اسے بادشاہ تو اپنے پاس بلا رہا ہو اور
ويقف بخدمة الامير الذي	وہ بادشاہ کے حضور میں تو نہ جائے بلکہ
هو غلام الملك وخادمه و	ایک امیر کی خدمت میں حاضر رہے جو خود بھی
تحت يديه۔	اس بادشاہ کا زیر دست اور چاکر اور نوکر ہے۔

نمازی جب تک فرض نہ ادا کرے اس کے نوافل غیر مقبول رہتے ہیں۔ (ص ۲۷۶)

اسی طرح اس نمازی کے نوافل بھی جو سنتوں کو چھوڑ کر نوافل ادا کر رہا ہو۔ (ص ۲۷۶)

ایک قول اور سن کر کتاب کا ورق الٹ دیجئے ارشاد ہوا ہے کہ تیرا کسی مقصد پر مستقل قائم نہیں رہنا بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا۔ یا اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی طلب کرنا۔ یہ سب شرک میں داخل ہے۔ (ص ۲۴۲-۲۴۳)

باب ۵ [1]

عوارف المعارف

(شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

پورا نام ابوحفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردی ہے۔ عام لقب شیخ الشیوخ تھا، معاصر صوفیہ دُور دُور سے ان سے مسائل دریافت کرتے، اور مباحث تصوّف کی تحقیق میں ان سے رجوع کرتے۔

ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ میں ہوئی۔ وفات محرم ۶۳۲ھ میں پائی، گویا ۹۳ سال کی عمر ہوئی۔ مولد عراق عجم کا قصبہ سہرورد تھا۔ مزار بغداد میں ہے۔ قیام عموماً بغداد ہی میں رہا۔

والد ماجد کا نام شیخ محمد قریشی ملتا ہے۔ سلسلہ نسب ۱۲ واسطوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے، مرجع خلائق تھے، حضرات صوفیہ میں ایک مسلّم امام سمجھے گئے ہیں بلکہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ کی طرح ایک مستقل سلسلہ سہروردیہ کے بانی۔

ان کے حقیقی چچا شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ خود ایک مشہور عارف اور صاحب نسبت

---

[1] ماخذ: (۱) نفحات الانس (مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) مطبوعہ کلکتہ۔
(۲) سفینۃ الاولیاء (شہزادہ دارا شکوہ) مطبوعہ لکھنؤ۔
(۳) خزینۃ الاصفیاء، جلد ۲ (غلام سرور لاہوری)۔
(۴) مدینۃ العلوم (ازنیقی)۔

بزرگ ہوئے ہیں، پہلے انہی کے مرید ہوئے۔ اور پرورش بھی انہی کے سایۂ عاطفت میں پائی۔ لیکن طبیعت کا رجحان علم کلام کی جانب تھا، فن کی متعدد کتابیں ازبر کرلی تھیں۔ شفیق چچا اکثر اس سے روکتے تھے، طبیعت کوئی اثر قبول نہ کرتی۔ ایک روز وہ حضرت شیخ جیلانیؒ کی خدمت میں انہیں ہمراہ لے حاضر ہوئے۔ شیخؒ کا سن وفات ۵۶۱ھ ہے۔ اس لئے شیخ شہاب کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ ۲۰-۲۱ سال کی ہوگی۔ چچا نے راستہ میں فرمایا کہ "دیکھو ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں، جن کا قلب اللہ تعالیٰ کی خبر دیتا ہے۔ ان کے دیدار کی برکتیں حاصل کرنا۔ حضرت کی خدمت میں پہنچ کر انھوں نے عرض کی کہ "حضرت میرا یہ بھتیجا علم کلام میں مشغول رہا کرتا ہے، ہر چند روکتا ہوں، اثر نہیں ہوتا"۔ حضرت نے ان سے مخاطب ہوکر پوچھا "عمر کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں"؟ انھوں نے نام گنائے۔ حضرت نے سن کر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا۔ روایت کے راویوں نے آگے خود شیخ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

"ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ بجز ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہ گیا، خدا نے تمام مسائل کلامیہ میرے دل سے محو کردیئے اور قلب کو علم لدنی سے لبریز کردیا۔

علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، ارتقی کے الفاظ ہیں۔

کان فقیہا فاضلا صوفیا ورعا	فقیہ فاضل تھے، صوفی متقی تھے،
زاہدا عارفا شیخا	زاہد عارف تھے، اپنے زمانہ میں
وقدوۃ فی علم الحقیقۃ والیہ المنتہی	علم الحقیقت کے شیخ تھے، تربیت
فی تربیۃ المریدین۔	مریدین میں کامل تھے۔

شیخ کے مریدین بکثرت تھے، اور کامل، فاضل جو بجائے خود [illegible]

ہیں، مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی بزغش وغیرہم۔

ے غالباً خدا اس لئے علم کلام جہاں دین کی خدمت کے لئے ہے [illegible]

بجائے فلسفہ کا نام ہوتا تو روایت [illegible] باقی۔

متعدد تصانیف چھوڑیں، نام صرف چند کے معلوم ہیں،

۱۔ رشف النصائح،

۲۔ اعلام الہدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقی،

۳۔ بہجۃ الاسرار (مناقب غوث اعظم)

۴۔ عوارف المعارف

ا۔ تصنیف

عوارف المعارف کا سنہ تصنیف ۵۷۰ھ ہے، شیخ اس وقت بہت ہی کم سن تھے، تاہم کتاب کو صوفیہ میں پوری طرح حسن قبول حاصل ہے، اور یہ کتاب ہر طبقہ میں مستند سمجھی گئی ہے، بلکہ متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ کہنا چاہئے کہ یہی کتاب ہے، اصل عربی میں متعدد بار چھپ چکی ہے، فارسی ترجمے ایک سے زائد ہو چکے ہیں اردو میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے،

کتاب کے دو حصے ہیں اور ۶۳ باب، ۲۲ باب حصہ اول میں اور ۴۱ حصہ دوم میں،

خطبہ کتاب (آج کی اصطلاح میں، مقدمہ کتاب) میں حمد و نعت کے بعد ہی سبب تالیف یہ بیان کرتے ہیں کہ گروہ صوفیہ میں اختلاط پیدا ہو چلا ہے، ان کے اعمال فاسد ہوتے جاتے ہیں، ان کے نقال بہت سے پیدا ہو گئے ہیں، اتباع کتاب و سنت کا سرشتہ ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے، اور خلقت حقیقت تصوف کی جانب سے بدگمان ہو چلی ہے،

اس کے بعد ابواب کتاب کی فہرست درج کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے دستور سے الگ ایک چیز تھی، اور اس کے خاتمہ پر جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ

"ہمارے اس علم (طریقت) کی بساط سالہا سال ہوئے کہ لپیٹ کر رکھ دی گئی، اور ہم اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں،

خود بہ صد تاسف و حسرت فرماتے ہیں کہ

بدا هذا القول منه فی وقته	یہ اس وقت ارشاد ہوا تھا جب کہ
مع قرب العهد بعلماء السلف	وہ وقت علمائے سلف وصلحائے تابعین کے
وصالحی التابعین فکیف بنامع	قریب تھا۔ تو اب ہمارے زمانہ
بعهد العهد وقله العلماء	کا کیا بیان ہو جب کہ اس قدر زمانہ
الزاهدین والعارفین بحقائق	اور گزر چکا ہے اور علمائے زاہدین اور
علوم الدین۔	حقائق دین کے عارف کم ہوگئے ہیں۔

انحطاط طریق کی یہ صورت ۵۷۰ھ میں تھی۔ آج ۱۳۶۵ھ ہے۔ اس آٹھ سو برس میں پستیاں کتنی حد سے گزر چکیں۔ ان کی تفصیل کے لئے کوئی قلم میں قوت کہاں سے لائے؟

مطالب کتاب کے ایک سرسری واجمالی اندازہ کے لئے عنوانات ابواب پر سرسری نگاہ کافی ہوگی۔

(۱) فی ذکر منشاء علوم الصوفیہ (ص ۵-۱۰)

اس میں علم تصوف اور علوم متعلقہ کی ابتدائی تاریخ اور ان کے مبداء اور منشاء کا بیان ہے۔

(۲) فی ذکر تخصیص الصوفیہ بحسن الاستماع (ص ۱۱-۱۴)

اس میں کلام الٰہی اور کلام رسول کے حسن استماع اور اس کی برکتوں کا ذکر ہے۔

(۵) پانچواں باب ماہیت تصوف پر ہے۔ (ص ۲۹-۳۲)

(۶ تا ۸) یہ تین باب تصوف، ملامتی اور صوفی اہل تصوف پر ہیں۔ (ص ۳۳-۴۰)

(۹) یہ باب مراتب مشیخت کی شرح میں ہے۔ (ص ۴۱-۴۶)

(۱۰ تا ۱۲) یہ تین باب اہل خانقاہ و اہل سفر کی باہمی نسبت و تعلقات کے بیان میں ہیں (ص ۵۵-۶۲)

(۱۳ تا ۱۵) یہ تین باب صوفیہ کے آداب سفر و قیام اور ان کے متعلقات پر ہیں (ص ۶۲-۸۰)

(۲۱) صوفیہ متجرد و متاہل کے احوال و مقاصد میں (ص ۸۰-۹۱)

(۲۲) تا (۲۵) یہ چار باب سماع اور اس کے متعلقات کے آداب وشرائط کے نذر ہیں۔
(ص ۹۱-۱۰۹)

(۲۹) و (۳۰) ان دو بابوں میں اخلاق صوفیہ کا بیان ہے (ص ۱۲۰-۱۴۵)

(۳۲) فی آداب الحضرۃ الالٰہیۃ لاہل القرب۔ (ص ۱۴۷-۱۵۰)

اہل قرب کے آداب حضوری پر ہے،

یہاں جلد اول ختم ہوگئی، آگے جلد دوم کے صفحات کے بند ہے ہیں۔

(۳۳) تا (۳۵) تین باب مقدمات طہارت، وضو اور اسرار وضو کے بیان میں ہیں (ص ۲-۸)

(۳۶) تا (۳۸) نماز اور اس کے فضائل، آداب و اسرار کا بیان ہے۔ (ص ۹-۲۲)

(۳۹) تا (۴۱) روزہ اور اس کے فضائل و اسرار کا بیان ہے (ص ۲۲-۲۷)

(۴۴) آداب و لباس پر ہے (ص ۳۲-۳۷)

(۴۵) تا (۴۶) فضائل شب بیداری پر اور اسباب معین شب بیداری پر ہیں۔ (ص ۳۷-۴۱)

(۴۸) عبادات شب کی تقسیم میں ہے۔ (ص ۴۵-۴۷)

(۵۰) عبادات روز کی تقسیم میں ہے (ص ۵۲-۵۹)

(۵۱) فرائض و آداب مرید پر ہے۔ (ص ۵۹-۶۵)

(۵۲) فرائض و آداب شیخ پر ہے۔ (ص ۶۵-۶۹)

(۵۶) معرفت نفس و مکاشفہ صوفیہ کے بیان میں ہے۔ (ص ۷۹-۸۱)

(۵۸) حال و مقام کی تشریح اور ان کا فرق۔ (۹۲-۹۵)

(۶۰) مقامات کی تفصیل اور اس ضمن میں توبہ، صبر، ورع، فقر، شکر، خوف، رجا، توکل و رضا کا بیان۔ (ص ۱۰۱-۱۱۰)

(۶۱) احوال کی تشریح ہے۔ (ص ۱۱۰-۱۲۱)

(۶۲) بعض مصطلحات صوفیہ کی تشریح، جمع و تفرقہ، تجلی و استتار، غیبت و شہود، وغیرہ کا بیان (ص ۱۲۱-۱۲۶)

(۶۳) فی ذکر شی من البدایات والنہایات وصحتہا (ص ۱۲۶-۱۳۴)

اکثر اکابر صوفیہ کی طرح شیخ سہروردی بھی کتاب اللہ و سنت رسولؐ پر عبور رکھتے تھے۔

علوم قرآن کے فاضل اور فقہ و حدیث کے عالم تھے، جو کچھ لکھتے ہیں، اس میں برابر قال اللہ و قال الرسول سے استناد کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جو باب اصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اکثر کا عنوان ہی کسی آیت یا حدیث کو رکھتے ہیں گویا اس باب میں جو کچھ بیان ہوگا وہ قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہوگا۔ چند مثالیں اس کی بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

باب ۲۸ تقسیم قیام اللیل پر ہے۔ اس کا عنوان اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے۔ والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما۔

باب ۳۰ شرح حال صوفیہ پر ہے، اس کا آغاز اس پورے ارشاد نبوی سے کرتے ہیں۔

قال انس بن مالک قال لی	انس بن مالک کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ
رسول اللہ صلعم یا بنی ان غدوت	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فرزند اگر تو صبح اور
ان تصبح و تمسی و لیس فی قلبک	شام اس حال میں کر سکو کہ تمہارے دل میں کسی کی
غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی و	طرف میل نہ ہو تو ایسا کرو، پھر فرمایا اے فرزند یہ
ذالک من سنتی من احیا سنتی	سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس
فقد احیانی و من احیانی کان معی	نے خود مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ
فی الجنۃ۔	وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

باب ۳۵ اداے حقوق صحبت و اخوت پر ہے، اس عنوان کو زینت آیات ذیل سے دی ہے:-

۱۔ وتعاونوا علی البر و التقوی،

۲۔ وتواصوا بالحق وتواصوا بالمرحمۃ۔

۳۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

باب ۳۶ مقامات سلوک پر ہے، اس کے تمام عنوانات بھی مقام ۔۔۔ آغاز اس حدیث سے کرتے ہیں۔ ملاک دینکم الورع

اور مقام خوف کا اس حدیث سے راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

اور مقام رجا کا اس حدیث سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول الله عز وجل اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان ثم يقول وعزتي وجلالي لا اجعل من امن بي في ساعة من ليل اونهار كمن لا يومن بي۔

باب ۲۳ مقدمات وآداب طہارت پر ہے۔ اس باب کا سرنامہ ذیل کی آیہ شریفہ کو بتاتے ہیں۔ في رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المطهرين۔

اس وقت یہ جو عام خیال پھیلا ہوا یا پھیلا دیا گیا ہے کہ تصوف وطریقت دین اسلام سے الگ ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے اور اس خیال کے پھیلانے والوں میں یورپ کے پڑھے لکھے مستشرقین بھی ہیں۔ تو اس خیال کی کامل اور قطعی تردید کے لئے اس رسالہ کے پچھلے باب بالکل کافی ہیں۔ ان میں طاؤس الفقراء، سراج، شیخ علی ہجویری، امام ابوالقاسم قشیری اور شیخ جیلانی کے حوالوں سے یہ پوری طرح ظاہر ہو چکا ہے کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام سے الگ ہونا تو کجا، اسی کی کامل ترین صورت کا نام ہے۔ اور اس میں بیرونی عنصروں کی آمیزش تو اس وقت شروع ہوئی، جب خود تصوف میں انحطاط شروع ہو چکا تھا، اور دین کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ میں بدعات داخل ہونے لگی تھیں۔

شیخ سہروردی بھی اس باب میں دوسرے اکابر طریقت کے بالکل ہم زبان ہیں، ان کے نزدیک تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے۔ اور جو شخص اس سرچشمہ رشد وہدایت سے جتنا زیادہ سیراب ہوا اسی قدر صفائے قلب وتزکیۂ نفس سے بھی وہ زیادہ بہرہ اندوز ہوا۔ (عوارف ص ۹)

تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، علم الفرائض، معانی بیان، لغت ونحو، غرض سارے علوم ظاہر جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں، اور بظاہر ضد تصوف سمجھے جاتے ہیں، حقیقتاً وہ سب مقدمات ومبادی طریقت کا کام دے سکتے ہیں۔ اصل خلقت کی اصل ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے، اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم وہدایت لے کر آئی۔ پس جو شخص اپنی پاکیزہ حقیقت کے لحاظ سے جتنا زیادہ قرب ومناسبت اس جوہر گرامی سے رکھتا ہے اسی قدر وہ علم وہدایت سے

بہرہ اندوز ہوتا ہے، اور دوسروں کی ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ یہی گروہ، گروہ صوفیہ ہے، یا قرآن کی اصطلاح میں گروہ مقربین۔ (ص ۱۰۹)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فبشر عباد الذین یستمعون	اے پیمبر! آپ ہمارے ان بندوں کو مژدہ پہنچا
القول فیتبعون احسنه اولئك	دیں جو ہمارے کلام کو حسن استماع کے ساتھ سنتے اور
الذین ھداھم اللہ و اولئك	اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں اللہ
ھم اولوا الالباب ۔	نے ہدایت دی ہے، اور یہی لوگ صاحب
(زمر ۔ ۲)	عقل سلیم ہیں۔

گویا ہدایت کا اصل راز حسن استماع ہے۔ پھر صوفیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آیت بالا کے لفظ "اولوالالباب" میں جس شے کو "لب" یا دانش سے تعبیر کیا ہے، اس کے کل نجے سو میں ان میں سے ننانوے حضرت رسالت کے حصہ میں آگئے، باقی ایک حصہ تمام کائنات کے مومنین پر تقسیم ہوا ہے، یہ مقدار بجائے خود اکیس حصوں پر شامل ہے، اس کے ایک حصہ یعنی کلمۂ شہادت میں سب کلمہ گو برابر کے شریک ہیں، رہے باقی بیس حصے، سو ان میں مومنین بہ لحاظ اپنی قوت ایمانی کے ایک دوسرے سے برتر و فروتر ہیں۔ آیۂ بالا میں جس احسن القول کا ذکر ہے، وہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، پس جو شخص اس کے اتباع اور اس کے حسن استماع میں جتنا زیادہ انہماک رکھے گا، اسی قدر وہ صفت تقرب سے زیادہ موصوف ہوگا، اور اسی صفت رکھنے والے کا نام صوفی ہے (ص ۱۳)

اور یہ جو کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ

یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ	اے ایمان والو! [illegible]
وللرسول اذا دعاکم	[illegible] جب [illegible]
لما یحییکم ۔	[illegible]
(انفال ۔ ۳)	[illegible]

سو شیخ [illegible] نے اس کی [illegible]

تمام علائق سے لفظاً وعملاً ہر طرح آزاد کرے، اور بعض صوفیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

استجیبوا لله بسرائرکم وللرسول بظواهرکم فحیاة النفوس بمتابعة الرسول صلعم وحیاة القلوب بمشاهدة الغیوب وهو الحیاء من الله تعالی برویة التقصیر۔ (ص ۲۳)

اللہ کی دعوت قبول کرو اپنے باطن سے اور رسولؐ کی دعوت اپنے ظاہر سے، اس لئے کہ نفوس کی حیات عبارت ہے پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قلوب کی حیات عبارت ہے مشاہدۂ غیب سے جس کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کے مواجہہ میں حق تعالیٰ سے شرم کی جائے۔

ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہی شیخ نے نکالا ہے یعنی تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا (ص ۲۶) اور اسی پر مداومت سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہوجاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں اور ہر شئے میں اتباع رسولؐ ہونے لگتا ہے. تو اب حق تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ وعدہ الٰہی موجود ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔

کہ اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

پیروی رسولؐ عین محبت الٰہی کی علامت ہے اور پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ بھی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے۔

فاوفر الناس خطاً من متابعة الرسول اوفرهم حظاً من محبة الله تعالی والصوفیه من بین طوائف الاسلام ظفروا بحسن المتابعة۔ (ص ۲۶)

پس جو شخص جتنا زیادہ متبع رسولؐ ہے، اسی قدر زیادہ وہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، اور صوفیہ ہی نے اسلامی گروہوں میں سب سے بڑھ کر اتباع رسولؐ کیا ہے۔

حیات نبویؐ کے جتنے بھی شعبے ممکن ہیں، ان سب میں صوفیہ ہی نے سب سے بڑھ کر اتباع سنتِ نبویؐ کا حق ادا کیا ہے، مثلاً اعمال نبویؐ میں کثرت عبادات و قیام تہجد و نوافل و صوم و صلوٰۃ کا اور اخلاق نبویؐ میں عفو و حلم و رافت و رحمت و حیا و تواضع کا اور اقوال نبویؐ میں عبادات و نصیحت کا اور احوال نبویؐ میں زہد و توکل، صبر و رضا، خشیت و ہیبت کا۔ تو گویا گروہ صوفیہ

فاستوفوا جميع اقسام المتابعة	نام ہے اس گروہ کا جس نے ہر قسم کی پیروی
و بواسطة بلقصي الغايات۔	رسولؐ کا حق ادا کر دیا اور سنت رسولؐ کو
(ص ۲۷)	انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا۔

پس یہی گروہ صوفیہ صافیہ درحقیقت اس بشارت عظیم کا بھی اہل ہے، جو حدیث نبویؐ میں وارد ہوئی ہے کہ،

من احیا سنتی احیانی و من	جس نے میرے طریقے کو زندہ کیا، اس نے
احیانی کان معی فی الجنة۔	مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے زندہ کر دیا،
	وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

شیخ عبدالواحد بن زید صوفیہ قدیم کے ایک مسلّم سرخیل ہوئے ہیں، ان سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ

قال القائمون بعقولهم على	جو لوگ سنت رسولؐ پر اپنی عقل [illegible]
فهم السنة و العاكفون عليها	کرتے ہیں، اور اپنے قلب سے [illegible]
بقلوبهم و المعتصمون بسيدهم	ہیں، اور اپنے نفس کی خباثت سے [illegible]
من شر نفوسهم هم الصوفية۔	[illegible]
	وہی صوفیہ ہیں۔

شیخ سہروردی اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

هذا وصف تام وصفهم به۔	یہ ان کی بہترین تعریف ہے جو کی گئی۔

قدیم اکابر طریقت کی یہی [illegible] اور ان کے مفہوم سے [illegible]

ومرتبة المشيخة من اعلى الرتب فى طريقة الصوفية ونيابة النبوة فى الدعا الى الله۔ (ص۴۲)

شیخ ہونے کا مرتبہ تو طریق تصوف میں ایک اعلیٰ مرتبہ ہے، اور شیخ دعوت الی اللہ میں پیمبر کا نائب ہوتا ہے۔

استحقاق کا معیار بجائے "بزرگ زادگی" کے اپنی ذاتی پیروی راہ حق اور اتباع مسلک خیر تھا،

وكثيراً كان شيخنا شيخ الاسلام ابو النجيب يقول ولدى من سلك طريقى واهتدى بهدى۔ (ص۴۳)

ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابو النجیب سہروردی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقہ پر چلے، اور میری راہ ہدایت اختیار کرے۔

پھر شیخ ہوجانے کے بعد مرتبہ کمال کا معیار بھی وہی اتباع و اقتدائے رسول ہے، اگر شیخ کی یہ نسبت اقتدار و اتباع درست ہے، تو حسب وعدۂ قرآنی وہ اللہ کی نظر میں محبوب ہوگا، (ص۴۵)

آج بہت سے "بزرگوار" اپنے کو "ملامتی" اور "قلندری" اور "رسول شاہی" مشہور کئے ہوتے ہیں، فرائض شرعی کو اپنے سے ساقط سمجھے ہوئے ہیں، ارتکاب منہیات میں جری ہیں اور اپنی وضع قطع، اخلاق و معاشرت، قول و فعل سے الٹی احکام شریعت کی تحقیر ہی کیا کرتے ہیں! ملامتیہ اور قلندریہ تاریخ تصوف کے کوئی نو پیدا فرقے نہیں، ان کا وجود شیخ کے زمانہ میں بھی تھا، بلکہ شیخ تو نفس طریق ملامتیہ کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں لیکن اس کی تشریح بھی تو ان کی زبان سے سنیئے :-

انه حال شريف ومقام عزيز وتمسك بالسنن والآثار وتحقق بالاخلاص۔ (ص۴۱)

یہ ایک معزز حال ہے، اور بلند مقام ہے یہ سنت نبوی و آثار صحابہ سے تمسک اور مرتبہ اخلاص کے تحقق کا نام ہے۔

ملا جامیؒ بہت بعد کے شخص ہیں، لیکن شیخ کے اسی نکتۂ اجمال کی شرح و توضیح وہ بڑی خوبی سے اپنی زبان سے کر گئے ہیں، بہتر ہوگا کہ اس متن کے ساتھ اس کی شرح بھی ملاحظہ کرتے چلیے:

واما ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت	ملامتیہ اس فرقہ کو کہتے ہیں جن کی انتہائی
معنی اخلاص و محافظت قاعدۂ	کوشش مرتبۂ صدق و اخلاص کے برقرار
صدق و اختصاص غایت جہد	رکھنے کی ہوتی ہے (کہ ریا و نمائش کی ہوا
مبذول دارند و در اخفاے	بھی اعمال و طاعات میں نہ لگنے پائے)
طاعات وکتم خیرات از نظر خلق	اور وہ طاعات وحسنات کو نظر خلائق
مبالغت واجب دانند با آنکہ	سے مخفی رکھنے میں انتہائی کوشش کر
ہیچ دقیقہ از صوالح اعمال مہمل	تے ہیں، درآنحالیکہ کوئی جز [illegible]
نگزارند و تمسک بہ جمیع فرائض	اعمال صالحہ میں سے نہیں چھوڑتے ہیں
ونوافل از لوازم شمرند و مشرب	اور سارے فرائض اور نوافل کے بجا
ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی	لانے میں انتہائی اہتمام رکھتے ہیں، اور ان کا
اخلاص بود، ولذت شاں در	مسلک یہ ہے کہ ہر وقت حسن اخلاص کی تحقیق
نظر و نظر حق بہ اعمال و احوال	میں لگے رہتے ہیں [illegible] انہیں لذت اسی بات
ایشاں و ہمچناں کہ عاصی از	سے کہ ان کے اعمال و احوال پر صرف خالق
ظہور معصیت پرہیزد بود ایشاں	کی نظر ہے [illegible]
از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد	سے چھپاتے ہیں ایسا ہی اہتمام کرتے ہیں جیسا
حذر کنند تا قاعدۂ اخلاص	دوسرے لوگ اپنی معصیت کو چھپاتے [illegible]
خلل نہ پذیرد۔ (نفحات الانس،	لیکن خلوص [illegible]
ص ۹۰۔ طبع لکھنؤ)	تاکہ [illegible]

معاذ اللہ! کہاں یہ اخلاص مجسم اور ہجر ملامت و تقوی [illegible] اور کہاں ترک احکام شریعت کا انتساب! ——— کتنا غلط یہ صرف ہی مشہور ہو گیا۔

لیکن ہم دونوں دریا [illegible]

شیخ ہی کے زمانے سے آباد ہے،

فمن ذلك قوم يسمون نفوسهم قلندرية تارة و ملامية	یہ لوگ کبھی اپنے کو قلندریہ اور کبھی ملامتیہ مشہور کرتے ہیں،

اخریٰ (ص۴۱) ۔

اس کے بعد شیخ نے ملامتیہ، قلندریہ اور صوفیہ کے حدود الگ الگ ظاہر کرکے چھ آگے لکھا ہے کہ

"گمراہوں کے ایک گروہ نے اپنے کو ملامتیہ مشہور کر رکھا ہے، اور صوفیہ کا لباس پہن رکھا ہے تاکہ ان کا بھی شمار صوفیوں میں ہو، حالانکہ انہیں کوئی لگاؤ بھی صوفیہ سے نہیں، بلکہ یہ لوگ دھوکہ اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور صوفیوں کا لباس کبھی اپنے کو بچانے کے لئے اور کبھی کسی دعویٰ کے ساتھ پہنتے ہیں، اور اہل اباحت[1] کی راہ چلتے ہیں، اس زعم میں پڑے ہوئے کہ ان کے ضمیر اللہ کی جانب راجع اور خالص ہو گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہی کامیابی مقصود ہے، اور یہ کہ شریعت کی پابندیاں تو عوام کے لئے ہیں، جن کی عقلیں کوتاہ ہیں اور جو تقلید و اقتدار کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں،

یہ عین الحاد اور زندقہ اور جہل ہے، یہ فریب میں پڑا ہوا گروہ اس حقیقت سے جاہل ہے، کہ شریعت نام ہے حق عبودیت کا اور حقیقت عبودیت ہی ہے، اور جو شخص اہل حقیقت سے آگاہ ہوگا، وہ حق عبودیت اور حقیقت عبودیت میں مقید ہوگا، (ص۴۲)

ایسے ہی بیدینوں کے باب میں حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ قول فیصل موجود ہے کہ

ان اناسا كانوا يوخذون بالوحي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ان الوحي قد انقطع و انما ناخذكم الآن بما ظهر من اعمالكم فمن اظهر لنا خيراً امناه وقربناه وليس الينا	عہد رسالت میں تو لوگوں سے مواخذہ وحی کی بنا پر کیا جا سکتا تھا، لیکن اب جب کہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے، اب ہم تم سے مواخذہ تمہارے اعمال ہی کی بنا پر کریں گے، بس جس کے اعمال خیر ہم پر ظاہر ہوں گے ہم اسے قبول کریں گے اور اس سے

[1] زندیقوں کا وہ فرقہ جو کسی چیز کے حرام ہونے کا عملاً قائل ہی نہیں ۔

من سريرة شئ الله تعالى يحاسبه فى سريرته ومن اظهر لنا سوى ذلك لم نامنه وان قال سريرتى حسنة ۔

قربت کریں گے، ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں۔ اس کے باطن کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اگر اس کے اعمال (خیر کے علاوہ) دوسری صورت میں ہم پر ظاہر ہوئے تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہے۔

فاروق اعظمؓ ہی کا ایک دوسرا ارشاد بھی ہماری رہبری و رہنمائی کے لئے موجود ہے۔

فاذا رأينا متهاونا بحدود الشرع مهملاً للصلوٰت المفروضات لا يعتد بحلاوة التلاوة والصوم والصلوٰة و يدخل فى المداخل المكروهة المحرمة نردّه و لا نقبله و لا نقبل دعواه ان له سريرة صالحة ۔

جب ہم کسی کو دیکھیں کہ حدود شرعی [illegible] سے غیر متوجہ، اور نماز فرض کو چھوڑے ہوئے، اور یہ کہ وہ تلاوت قرآن اور روزہ اور نماز سے لذت نہیں پاتا اور [illegible] مکروہ مقامات میں در آتا ہے تو ہم اس سے انکار کریں گے اور اس کے اس دعویٰ کو قبول نہ کریں گے کہ وہ باطن نیک رکھتا ہے۔

جنید بغدادیؒ ایک مرتبہ معرفت الٰہی پر گفتگو کر رہے تھے، ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا اہل معرفت ترک اعمال صالحہ کے مقام تک بھی پہنچ سکتے ہیں؟ حضرت جنیدؒ نے طیش میں [illegible] ساتھ ارشاد فرمایا۔

ان هذا قول قوم تكلموا باسقاط الاعمال و عندى عظيمة ۔ الذى يسرق و يزنى احسن حالاً من الذى يقول هذا و ان العارفين بالله اخذوا الاعمال

یہ اس گروہ کا قول ہے [illegible] کا قائل ہے [illegible] [illegible] [illegible] قول [illegible]

من الله و اليه يرجعون فيها	عارفوں نے اپنے اعمال اللہ تعالیٰ سے
ولو تبيت الف عام لم انقص	حاصل کئے ہیں، اور ان ہی اعمال کے ساتھ
من اعمال البر ذرة الا ان	وہ اس کی جانب واپس ہوں گے، میری عمر تو
تحال بي دونها و انها	ایک ہزار سال کی موجب بھی ہیں ان اعمال خیر
الاكد في معرفتي و اقوى	سے ایک ذرہ کم نہ کروں جز اس کے کہ کوئی
لحالي -	میرے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے اور
	یہ اعمال تو میری معرفت کے لئے مؤکد اور یہ
	حال کے لئے موجب تقویت ہیں ۔

اور یہ جنیدؒ سید الطائفہ ہوتے ہیں ۔

لیجئے شیخ نے اپنے علاوہ سند اپنے سید کی اور ان سید کے بھی سید حضرت فاروق رضی کی بھی پیش کر دی ۔

اب اس کے بعد بھی کوئی اور درجہ باقی رہ جاتا ہے ؟

باب ۶ [1]

فوائد الفواد

(خواجہ نظام الدین اولیاء سلطان المشائخ)

اب تک جن بزرگوں اور ان کی تعلیمات و ہدایت سے تعارف ہوا وہ سب ہندوستان سے باہر کے تھے، اور اکثر کی تو سکونت بھی باہر تھی۔ اب ایک ایسے بزرگ کے درس و ہدایت کا سامنا ہے جو ہندوستان ہی کی خاک سے اٹھے، اور اسی سرزمین میں اپنی ساری زندگی گذاری، اور اتفاق سے زمانہ بھی وہ پایا، جب ہندوستان کا اسلام ہندویت اور ہندیت سے اچھا خاصا متاثر ہو چکا تھا، اور مسلمانوں کو یہاں رہتے سہتے کئی صدیاں گزر چکی تھیں۔

چوتھی صدی ہجری میں بخارا سے دو سید زادے سید علی اور سید عرب ہندوستان وارد ہوئے، قیام پہلے لاہور میں کیا پھر آج کل کے صوبہ متحدہ کے شہر بدایوں میں، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ بدایوں اس وقت عالموں اور درویشوں کا شہر تھا، اور اسی مناسبت سے "قبۃ الاسلام" [illegible] تھا۔ ایک کے صاحبزادہ سید احمد [illegible] دوسرے کی صاحبزادی بی بی زلیخا [illegible]

---

[1] سیر الاولیاء امیر خورد دہلوی [illegible]

(۲) [illegible] قطب [illegible]

[illegible] فوائد الفواد [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

کا ثمر، اُس ہستی کے قالب میں ظاہر ہوا، جس پر خاک بدایوں ہی کو نہیں خاک ہند کو ناز ہے۔ ولادت ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی۔ والدین نے نام فخر کائنات کے اسم مبارک پر محمد رکھا، شہرت عام کی زبان نے نظام الدین اولیاء کہہ کر پکارا، اولیائے معاصرین کی زبانیں نظام الاولیاء، نظام الحق والدین، سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی کے القاب پر کھلیں۔

شجرۂ نسب پدری و مادری دونوں سلسلوں سے بہ واسطہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے، عمر کا پانچواں سال تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور عرب کے یتیم کی اُمت کا یہ گوہر بے بہا بھی یتیم رہ گیا۔ والد ماجد حضرت سید احمد ایک متقی و مقدس بزرگ تھے، مزار بدایوں میں اس وقت تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ اب تربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ بی بی زلیخا پر پڑی۔ یہ اپنے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اپنے وقت کی رابعہ بصریہ تھیں، مزار نواح دہلی میں اب بھی عقیدتمندوں کا مرجع ہے۔

تذکروں میں ہے کہ صاحب نسبت و مستجاب الدعوات تھیں، دعاؤں کے تیر ہدف مراد تک پہنچ کر رہے۔ کشف تکوینی بھی حاصل تھا، آیندہ واقعات بارہا مکشوف ہو جاتے۔ آخری مرض میں مبتلا ہوئیں، تو کھانا پانی سب چھوڑ دیا۔ ہر وقت گریہ طاری رہتا، جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ کی شام تھی، نیا چاند دیکھ کر صاحبزادہ حسب دستور سلام کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا "بیٹے اگلے مہینہ کس کے سلام کو آؤ گے، اور کون دعائیں دے گا" لخت جگر کو معلوم ہو گیا کہ سر سے یہ سایہ بھی اٹھا چاہتا ہے۔ رو کر عرض کی کہ "اماں جان ہم کو کس پہ چھوڑے جاتی ہو؟" فرمایا کہ "اس کا جواب صبح کو لینا، اس وقت جا کر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں سو رہو" رات میں نیند کسے آتی، صبح سویرے گھر کی خادمہ دوڑی ہوئی پہنچی، کہ فوراً بلایا ہے۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ماں نے پوچھا "بیٹا رات کو خوش رہے تھے" رو کر اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ "اماں جان میری خوشی تو آپ کی سلامتی کے ساتھ ہے" فرمایا "اب وقت ہے کہ کل کی بات کا جواب لو" یہ کہہ کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا یوں "اے اس وقت بیاری بے کس کو تیرے سپرد کرتی ہوں" یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اللہ کو سونپا ہوا بچہ، بیکس و لاوارث نہیں رہ سکتا تھا۔ ذہانت، ذکاوت، فہم صحیح، شوق

علم، حافظہ، یہ سب خداداد نعمتیں بچپن سے موجود تھیں، حفظ قرآن مجید کے بعد دوسرے علوم شروع کئے، اور اکثر میں پوری دستگاہ بہم پہنچائی، بدایوں خود ہی کاملین فن کا مرکز تھا، مزید ذوق علم کی کشش یہاں سے دہلی لائی، اور یہاں باقی علوم کی بھی تکمیل ہوگئی۔ دستار بندی بدایوں میں ہو چکی تھی، دہلی میں آکر فقہ و حدیث کی بھی باضابطہ سند و اجازت حاصل ہوئی، علوم و فنون میں بحث و گفتگو کا بڑھا ہوا شوق دیکھ کر طلبہ و علماء کے حلقہ میں نام نظام الدین بحاث پڑ گیا۔

ادھر علوم ظاہری میں یہ انہماک جاری تھا، ادھر فطرت مسکرا مسکرا کر ایک دوسری ہی زندگی کے لئے تیار کر رہی تھی۔ قیام ابھی بدایوں ہی میں تھا، اور سن بھی ۱۲ سال کے اندر ہی کہ ایک قوال کی زبان سے حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ کے وہ کمالات سننے میں آئے کہ دل غائبانہ عقیدت کا مسکن ہوگیا، یہاں تک کہ ہر نماز کے بعد یا فرید کا ورد شروع ہوگیا تھا، دہلی آتے ہوئے راستے میں حضرت موصوف کے اور بھی تذکرے سنے، اشتیاق بڑھتا، دہلی پہنچے تو پڑوس میں شیخ نجیب الدین متوکل کا ملا، وہ خود حضرت فریدؒ کے خلیفہ اور عزیز خاص تھے، آپ کے ذریعہ سے جو حالات و کمالات سنے، انہوں نے شوق و عقیدت کی آگ کو اور تیز کر دیا، یہاں تک کہ ایک روز جامع مسجد دہلی میں ایک خوش لحن قاری کی زبان سے آیہ کریمہ

الم یان للذین امنوا ان تخشع	کیا ابھی ایمان والوں کے لئے وقت نہیں
قلوبھم بذکر اللہ۔	آیا ان کے قلب ذکر الٰہی کے آگے جھک جائیں

سن کر دل بے چین ہوگیا، اور جی میں ٹھن گئی کہ ترک علائق کر کے [illegible] ہو جائے۔

لوگوں نے مشورہ شیخ نجیب الدین سے بیعت ہو جانے کا دیا، مگر خود شیخ نے فرمایا [illegible] ہے تو وقت کے دو بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ، ایک حضرت [illegible] دوسرے حضرت بابا فرید اجودھنی۔ دوسرے ہی دن آپ دہلی سے چل [illegible] دل اب بھی ذرا متردد تھا کہ راستہ اجودھن اور ملتان میں سے کہاں کا اختیار کیا جائے؟ آخر ایک شب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، اور حکم ملا کہ اجودھن کا راستہ اختیار کرو، عمر کے بیسویں سال ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو اس منزل آخری منزل ختم ہوئی بعد [illegible] خدمت میں حضور [illegible]

فرمائی گئی اور نظر پڑتے ہی یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بیعت کے ساتھ خلعت خلافت بھی مرحمت ہوئی، اور ارشاد ہوا کہ نظام الدین! میں تو ولایت ہندوستان کسی اور کو دینا چاہتا تھا کہ غیب سے ندا آئی کہ انتظار کرو، نظام بدایونی آرہا ہے، اور وہی اس ولایت کے لائق ہے۔

مرشد کی خدمت میں ایک عرصہ تک سرگرم رہنے کے بعد حسب الحکم دہلی واپس ہوئے، اور مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف ہوگئے۔ اخفائے حال کا اس قدر اہتمام تھا کہ جہاں ایک جگہ قیام فرمانے کے بعد لوگوں کو بزرگی کا کچھ پتہ چل سکے، مکان تبدیل فرمادیتے اور کسی دوسرے محلہ میں اٹھ جاتے، بالآخر جب خلقت کا ہجوم زیادہ رہنے لگا، تو اشارہ غیب پاکر شہر سے باہر جنوب میں غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی، اور یہیں آخر عمر تک قیام رہا، یہ وہی مقام ہے جو اب بستی نظام الدین اولیاء کہلاتا ہے۔

ابتدائی زمانہ پیر و مرشد کی سنت میں بڑی تنگی و تنگدستی کا گزرا۔ شروع میں کئی سال تک یہ حال رہا کہ مسلسل کئی کئی دن تک کوئی آمدنی کہیں سے نہ ہوتی اور فقر و فاقہ کی نوبت رہتی۔ چند سال بعد مرشد کی دعا سے یا (جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے) کسی مجذوب کی توجہ کی برکت سے اس کے برعکس فارغ البالی پیدا ہوئی۔ اور وہ بھی اس شدت سے کہ اچھے اچھے دنیا دار رئیسوں کو رشک آنے لگا، باورچی خانہ دن رات گرم رہتا تھا، لنگر ہر وقت جاری تھا، مہمان خانہ مہمانوں کے ہجوم سے پُر رہتا تھا، اور مہمانداری کا خرچ کئی ہزار ماہوار کا تھا۔ اس امارت و ریاست کے ساتھ اس درویش کی اپنی یہ حالت تھی کہ سال کے سال برابر روزے رہا کرتے تھے، اور افطار و سحر کے وقت موٹے قسم کی غذا اور وہ بھی قلیل مقدار میں تناول فرماتے تھے، غرض یہ کہ خوش خوری اور طباخی کے جتنے بھی انتظامات تھے، دوسروں کے لیے تھے، اپنی ذات کے لیے اس نہیں، خادموں پر تاکید رہتی تھی کہ جو کچھ آتا رہے روزانہ سب نکلتا بھی رہے۔ اور جمع مطلق نہ ہونے پائے، جمعہ کے دن اس کا اہتمام اور زیادہ ہوجاتا تھا اور جب تک توشہ خانہ مال و غلہ سے بالکل صاف نہ کرا دیا جاتا، نماز جمعہ کے لیے تشریف نہ لے جاتے۔

نکاح کی نوبت نہیں آئی، ساری عمر تجرد میں گزری، ایک بہن تھیں، ان کی اولاد کا سلسلہ نسل بحمد اللہ جاری ہے اور خاندان کا سلسلہ نسل اسی ذریعہ سے قائم ہے،

خلق کا رجوع، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑی ہی کثرت سے رہا، عوام، درویش، امرا، وزراء سب ہی اس شمع کے پروانے تھے، لیکن آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ خود کسی امیر و وزیر کے ہاں تشریف نہیں لے گئے، شکایتیں دربار شاہی تک پہنچیں اور فرمان سلطانی پہنچا کہ کبھی کبھی دربار میں حاضری ہوتی رہے، لیکن ایسے فرمان کی کبھی تعمیل نہیں کی گئی، اس طرز عمل سے بارہا عتاب سلطانی کی نوبت آئی، بلکہ کبھی کبھی سخت خطرے بھی پیش آگئے، لیکن جو گردن صرف رب الارباب کے آگے جھکنے کے لیے خلق ہوئی تھی، وہ کبھی کسی گردن کش سلطان و فرماں روا یا امیر و وزیر کے آگے کیسے جھک جاتی، دہلی کے تخت پر جب قطب الدین مبارک شاہ خلجی (۷۱۶ھ، ۱۳۱۶ء - ۱۳۲۰ء) کو رونق بخشی تو حاسدوں اور بد اندیشوں کے کہنے میں آکر حضرت شیخ سے بگاڑ کر بیٹھے، پہلے تو قسم قسم کی سختیاں کیں، اس کے بعد اس پر اصرار کیا کہ اگر ہر ہفتہ نہیں تو کم از کم ہر مہینہ چاندرات کو دوسرے مشائخ وقت کی طرح شیخ بھی قصر ایوان شاہی میں حاضر ہوا کریں، معتقدوں اور مریدوں نے معاملہ کی نزاکت اور قطب سلطانی کی اہمیت کا اندازہ کر کے بڑی منت و الحاح سے عرض کی کہ کم از کم ایک مرتبہ تو بادشاہ کی خواہش پوری کر دی جائے [illegible] کہ شوال کا مہینہ ختم ہوا اور ذی قعدہ کی چاندرات آئی، لیکن جیسے ہی شب [illegible] منظور نظر غلام خسرو خاں نے اپنے خنجر سے بادشاہ کا کام تمام کر دیا،

ہجوم خلائق سے یہ نہ ہوتا کہ ذکر و شغل میں فرق پڑ جاتا، ساری [illegible] عبادت اور ریاضت کی نذر ہو جاتی، جب [illegible] بیداری سے ایک عجب قسم کی روحانی و نورانی [illegible] مرید خاص و مخلص با اختصاص امیر خسرو نے [illegible]

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب [illegible]

عمر شریف اسی سے اوپر پہنچ گئی تھی، اس سن میں بھی [illegible] شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے الفاظ ہیں

حق تعالیٰ اورا قبولے تمام داد
وخاص و عام را بوے رجوع
شد و ابواب فتوح بر وے مفتوح
گشت و عالمے از موایدِ احسان و
انعام او تمتّع گرفتند و او خود
بہ ریاضت و مجاہدہ می بود، گویند
کہ او آخرِ عمر کہ سنِ شریفش از
ہشتاد تجاوز شدہ بود بہ غایت
مجاہدہ پیش گرفتہ بود و صوم دوام
داشتے، و بہ وقت افطار اندک
چیزے چشیدے و طعامیکہ وقت
سحر بودے اکثر چناں بودے کہ
نخوردے، خادم عرضہ داشت
کردے کہ مخدوم وقت افطار
طعام کمتر میخورند اگر از طعام
سحر اندک تناول نہ کنند حال
چہ شود و ضعف قوت گیرد،
دریں محل بگریستے و گفتے کہ چندیں
مسکیناں و درویشاں در
کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ
و فاقہ زدہ افتادہ اند ایں طعام
در حلق من چگونہ فرو رود و ہمچناں
طعام از پیش بر می داشتند

حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبول
بنا دیا، اور خاص و عام سب کا
رجوع آپ کی طرف ہو گیا، آپ پر
فتوحات کا دروازہ کھل گیا، اور ایک
عالم آپ کی مہماں نوازی اور عنایتوں
سے سیراب ہونے لگا، لیکن آپ خود
برابر ریاضت و مجاہدہ میں لگے
رہے، یہاں تک کہ آخر عمر میں جب
سن شریف اسّی سے متجاوز ہو چکا تھا،
آپ انتہائی مجاہدوں میں مشغول
رہتے تھے اور صوم دوام رکھتے تھے،
افطار کے وقت بہت قلیل غذا ہوتی
اور سحر بھی اکثر ایسا ہوتا کہ نہ کھاتے،
خادم عرض کرتے کہ افطار ہی کے وقت
کیا غذا ہوتی تھی، اگر سحری بھی چھوٹ
گئی تو ضعف و نقاہت سے کیا حال ہو
گا، یہ سُن کر مخدوم رونے لگتے، اور
فرماتے کہ اتنے فقیر اور محتاج
مسجدوں اور دوکانوں میں بھوکے
اور فاقہ سے پڑے ہیں، میرے حلق
سے نوالہ کیوں کر اتر سکتا ہے؟ یہ
فرماتے اور کھانا سامنے سے
ہٹا دیتے۔

کثرت عبادت کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات نماز کی نظر ہو جاتی، نماز جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ ۸۵-۹۰ سال کی عمر میں، ضعف و لاغری کے باوجود بالاخانہ سے شریک جماعت ہونے کے لیے اتر کر نیچے تشریف لاتے۔ کثرت صوم کا یہ عالم تھا کہ عمر گویا روزہ ہی میں گزار دی، پانچ ممنوع دنوں کو چھوڑ کر سال کا سال روزہ ہی میں گزرتا، عمر کی زیادتی کے ساتھ غذا میں کمی فرماتے گئے، یہاں تک کہ ضعیفی کے زمانہ میں خادم جب کھانا پیش کرتے تو آپ کبھی ایک روٹی کبھی آدھی روٹی یا کوئی بدذائقہ ترکاری (جیسے کریلا) نوش فرمالیتے، اور باقی سب لذیذ و نفیس غذائیں دسترخوان پر بیٹھنے والوں کے آگے پیش کر دیتے، اور انہیں اصرار کرکے کھلاتے ——— اپنی حالت گرسنگی اور سیری خواب و بیداری کی تقریباً ایک ہی ہو کر رہ گئی تھی۔

معمول یہ تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد، بعد مغرب بالاخانہ پر تشریف لے جاتے، وہیں مریدوں اور مہمانوں کا مجمع ہوتا، دسترخوان پر رنگ رنگ کی غذائیں، میوے اور شیرینیاں ہوتیں، وہ سب دوسروں کی نذر ہو جاتیں۔ عشاء کی جماعت ادا کرنے کو نیچے تشریف لاتے، اس کے بعد پھر اوپر تشریف لے جاتے، اس وقت باریابی کی اجازت صرف مخصوص مریدوں کو ہوتی۔ الفاظ ... و لطائف و حکایات سناتے، اور حضرت تسبیح پڑھتے رہتے، کچھ دیر بعد یہ تغلیبہ کی نشست بھی برخاست ہو جاتی۔ خادم خاص خواجہ اقبال پانی چند لوٹوں میں بھر کر رکھ دیتے کہ صبح تک کئی بار طہارت وضو کی ضرورت ہو جائے گی۔ حضرت اندر سے دروازہ بند کرکے نماز اور ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے سحری کے وقت ایک دوسرے خادم عبدالرحیم ناشتہ لے کر حاضر ہوتے۔ آپ دروازہ [illegible] کھانا اکثر واپس فرما دیتے، کبھی برائے نام کچھ نوش فرما لیتے، کہ یہ سنت سے طاری [illegible] کے دوسرے وقتوں کے علاوہ سحری کے وقت بھی گریہ کرتے پایا [illegible]

ادھر جیسے لوٹ پلٹ، دریافت سے پتہ چلا کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا [illegible] نکال کر رکھ دیا جاتا ——— [illegible]

کتنے ان ریاضتوں اور مسلسل مجاہدوں میں حضرت کی تقلید کرتا ہے؟

وفات سے ۲ یوم قبل غذا بالکل ترک ہو گئی تھی، کھانے کی خوشبو سے [illegible] بہت بڑھ گئی تھی، نفل نمازوں میں جب [illegible] نماز سے فراغت [illegible]

بعد دریافت فرماتے، نمازیں نے پڑھ لی؟ اور جب جواب ملتا کہ پڑھ لی ہے، تو یہ فرما کر کہ "پڑھوں؟ خبر نہیں کہ پھر بھی پڑھوں گا یا نہیں" پھر پڑھنے لگ جاتے، جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بہت قریب آ گیا، تو اقبال خادم کی طرف اشارہ کر کے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اس نے کوئی چیز گھر میں باقی رکھی تو قیامت کے دن اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے" خادم نے تھوڑی دیر بعد عرض کیا کہ "کچھ غلہ درویشوں کی خوراک کے لئے رکھ لیا ہے، باقی اور سب کچھ تقسیم کر دیا ہے" ناخوش ہو کر فرمایا کہ "اس کو بھی ابھی لٹا دو اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو" تعمیل فوراً ہوئی،

وفات صحیح تر روایت کے مطابق چہار شنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ، ۱۵ دسمبر ۱۳۲۴ء کو ۸۹ سال کی عمر میں طلوع آفتاب کے وقت ہوئی، مقبرہ کے لئے ایک عالیشان عمارت بڑے بڑے اونچے گنبدوں والی، زندگی ہی میں کسی بادشاہ وقت نے (آپ کے معاصر متعدد بادشاہ ہوتے ہیں) یا کسی امیر نے (باختلاف روایت) تعمیر کرا دی تھی، مگر اس میں دفن ہونا پسند نہ فرمایا، اس عمارت کو حسب وصیت مسجد بنا دیا گیا، اس کے صحن میں تدفین ہوئی، شروع میں تربت خام و غیر نمایاں تھی، پختہ مزار اول بار تیمور کے حکم سے بنا، مشہور یہ ہے کہ وہ یہاں جب فاتحہ پڑھنے آیا تھا تو اسے آپ کی تربت کا پتہ چلانے میں بڑی دقت پیش آئی تھی، اب جو اسی صحن مسجد میں مزار کی پختہ عمارت سنگ سفید کی ہے، وہ مختصر ہونے کے باوجود نہایت دلکش اور دلکشا ہے، اور بعض اہل کشف کا قول ہے کہ اپنے اندر غیر معمولی کشش اور جاذبیت رکھتی ہے،

مریدوں کی فہرست میں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی، امیر خسرو، میر حسن علاء سجزی، شیخ مبارک گوپاموی، مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحیٰی کے نام خاص طور پر ممتاز ہیں، ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ مخدوم شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی بھی مرید تھے۔ خلافت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کو ملی۔

۲۔ تصنیف

ہندوستان کی دنیائے فقر و تصوف میں ایک خاص شہرت و امتیاز سلسلہ عالیہ چشتیہ کو حاصل ہے۔ خواجگان چشت کے "پنجتن پاک" نے اپنی تعلیمات و ہدایات کی مستقل تصنیف

کی شکل میں نہیں، بلکہ اپنے ملفوظات کے قالب میں چھوڑی ہیں، مختلف مجلسوں میں جو کلمے زبان سے نکلتے تھے مریدان باصفا انہیں قلمبند کر لیتے تھے، اور مرتب کر کے انہی ملفوظات مبارک کو شائع کر دیتے تھے ——— مرشدوں کے ان ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے والے خود اپنی اپنی نوبت پر صاحب ارشاد اور بانی سلسلہ ثابت ہوئے۔ حضرت خواجہ عثمانی ہارونیؒ کے ملفوظات انیس الارواح کے نام سے خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ نے مرتب فرمائے پھر ان خواجۂ خواجگان کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے، پھر ان قطب عالم کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے، پھر ان فرید عصر کے دو ملفوظات اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے نام سے شیخ بدر الدین اسحٰق اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے جمع فرمائے، شمع سے شمع اس طرح روشن ہوتی رہی، اور صدیوں تک چراغ سے چراغ جلتا رہا۔

اکابر خواجگان چشت کے سلسلہ کے خاتم حضرت نظام الدینؒ ہی ہیں۔ آپ کا زمانہ ساتویں صدی ہجری کا آخر اور آٹھویں صدی ہجری کے شروع کا ہے۔ آپ کے ملفوظات جمع کرنے کی سعادت ایک سے زائد مریدان با اخلاص کے حصہ میں آئی۔ چنانچہ "الگ الگ ملفوظات امیر خسروؒ نے راحت المحبین اور افضل الفوائد کے نام سے مرتب کئے اور ایک شیخ علی محمود جاندارؒ نے درر نظامی کے نام سے، یہ آخری ملفوظ اس نامہ سیاہ کے علم میں ابھی تک غیر مطبوعہ ہے[1] لیکن نظام الاولیا کے تمام ملفوظات میں جو ملفوظ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند قرار پایا وہ فوائد الفؤاد کے نام سے شیخؒ کے مرید باختصاص میر حسن علاء سجزی کا جمع اور مرتب کیا ہوا ہے۔ اہل دل کے نزدیک یہ کتاب گویا چشتیہ بہشتیہ کے نظام تصوف کا ایک مکمل دستور العمل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں

آں کتاب درمیان خلفا و مریدان شیخ ——— بر کتاب شیخ نظام الدین لے عجائب ...

---

[1] دسمبر ۱۹۳۲ء میں اس ملفوظ کا قلمی نسخہ معلومات سے لبریز سید علیم الدین، نام خادم آستانہ نظامی کے پاس دیکھنے میں آیا تھا اور ان کی عنایت سے اسی وقت اس سے کچھ اقتباسات لے لئے گئے تھے۔

نظام الدین دستور است (اخبار الاخیار صفحہ ۳۹)	کے درمیان بطور دستور العمل کے ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

فوائد الفواد دستور العمل سلوک است	فوائد الفواد نہایت خوب ہے اور فن
و بہ غایت خوب ہر چند خسرو	سلوک کا ایک دستور العمل خسرو نے بھی
ہم ملفوظے جمع کرد لیکن آں قدر مقبول	ملفوظات جمع کئے ہیں لیکن ان کو یہ
نیست (ملفوظات شاہ عبدالعزیز	درجۂ قبول حاصل نہیں۔
صفحہ ۲۳ طبع میرٹھ)	

کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر	کتاب فوائد الفواد ہر طرح معتبر ہے
است و آں وقت دستور العمل بود دیگر	اور اپنے زمانہ میں دستور العمل رہ چکی
دیگر ملفوظات مشتبہ است، غالب کہ	ہے۔ دوسرے ملفوظات بھی غالباً
نباشند (افضل صفحہ ۱۰)	مشتبہ ہیں۔

اور یہ شہادتیں تو خیر بہت بعد کی ہیں، ایک معاصر معارف میر خورد کا اعتراف ملاحظہ ہو۔

امروز آں فوائد الفواد مقبول اہل دلان	فوائد الفواد اس وقت دنیا کے اہل دل
عالم شدہ است و دستور عاشقاں گشتہ	طبقہ میں مقبول ہو چکی ہے اور عاشقان
و شرق و غرب عالم گرفتہ (سیر الاولیاء۔	الٰہی کی دستور العمل بن چکی ہے، مشرق و
میر خورد دہلوی صفحہ ۳۰۲ طبع دہلی)	مغرب میں مشہور ہے۔

خود امیر خسرو کی بابت منقول ہے، کہ رشک کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تصانیف حسن کے نام سے ہوتیں، اور یہ ایک میرے نام سے! (اخبار الاخیار صفحہ ۹۹۔ سیر الاولیاء، صفحہ ۲۰۰) یہ بھی روایتوں میں آیا ہے کہ حسن نے اس ملفوظ کو مرتب کرنے کے بعد خود مرشد کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور وہاں سے سند قبول یا پروانہ پسندیدگی حاصل کیا تھا۔ (خزینۃ الاصفیاء، جلد اول صفحہ ۲۴۴)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ فوائد گویا خود حضرت شیخ ہی کی کتاب ہے، اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ بس شیخ ہی کی تعلیمات ہیں۔

پیشِ نظر نسخہ، نولکشور پریس لکھنؤ کا مطبوعہ، متوسط تقطیع پر ۲۶۰ صفحہ کا ہے اور پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔

حصہ اوّل ص ۱ تا ۴۱ اس میں شعبان ۷۰۷ھ تا ذی الحجہ ۷۰۸ھ، ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے۔

حصہ دوم ص ۴۱ تا ۹۰ اس میں شوال ۷۰۹ھ تا شوال ۷۱۲ھ، ۳۷ مجلسوں کا تذکرہ ہے۔

حصہ سوم ص ۹۰ تا ۱۳۰ اس میں ذیقعد ۷۱۲ھ تا ذی الحجہ ۷۱۳ھ، ۱۵ مجلسوں کا بیان ہے۔

حصہ چہارم ص ۱۳۰ تا ۲۱۶ اس میں محرم ۷۱۴ھ تا رجب ۷۱۹ھ، ۶۲ مجلسوں کے مذاکرے ہیں۔

حصہ پنجم ص ۲۱۶ تا ۲۶۰ اس میں شعبان ۷۱۹ھ تا رجب ۷۲۲ھ، ۳۲ مجلسوں کے ارشادات جمع ہیں۔

اس طرح درمیانی وقفوں کے ساتھ ۱۵ سال تک پھیلی ہوئی مدت کی کل ۱۸۸ مجلسوں اور صحبتوں کے ارشادات درج ہیں، اور یہ گفتگوئیں شیخ کے ابتدائی زمانہ کی نہیں آخری زمانہ کی ہیں، شروع اس وقت ہوئی ہیں جب شیخ کی عمر ۶۰ سے متجاوز ہو چکی تھی اور ختم اس وقت ہوئی ہیں، جب شیخ کی وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو کل دو ڈھائی سال رہ گئے تھے۔

کتاب تصنیف نہیں ہے، ملفوظ ہے، عام تقریروں اور پبلک لیکچروں کا مجموعہ نہیں، ارادت مندوں کے مختصر حلقہ میں شیخ کی زبان سے نکلے ہوئے حقائق و معارف [illegible] محتسب کی زد سے دور، قاضی شریعت کی گرفت سے باہر، اور پھر وقت [illegible] رسالت سے سات سو سال کا بعد، اور وہ وقت جب ہندی اسلام [illegible] رنگ آمیزیوں کا معجون مرکب بن چکا تھا [illegible] اس حال [illegible] تو بے شک یہ قائم ہوتا ہے کہ احکام شریعت کی [illegible] اور [illegible] نہیں جو اس پرانے دین شریعت کے مقابلہ میں ایک نئے آئین طریقت [illegible] ان شبہات کے ساتھ کتاب کھولیے تو نظر [illegible] کے بعد اس [illegible] ہے اور پڑھتے [illegible] باقی نہ رہا۔

سخن در تزکیہ افتاد، بہ لفظ مبارک راند کہ کمال مرد در چہار چیز می شود قلۃ الطعام و قلۃ الکلام و قلۃ الصحبۃ مع الانام و قلۃ المنام۔ (ص ۲)	ایک روز تزکیہ نفس پر گفتگو تھی، ارشاد ہوا کمال ان چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے: کم کھانے سے، کم بولنے سے، کم ملنے جلنے سے اور کم سونے سے۔

لیجیے سیدھی سادی وہی باتیں جو اس سے قبل دنیا کے سب سے بڑے معلم و مرشد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اتباع میں دوسرے ہادیان طریقت بتا گئے تھے، یعنی وہی کم خوری، کم سخنی، کم آمیزی اور کم خوابی۔

جامع ملفوظات نے کتاب کے شروع میں یہ قاعدہ رکھا ہے کہ ہر مجلس میں جب جب اپنی حاضری کا ذکر کیا ہے، تو وقت حاضری بھی بتاتے گئے ہیں، لیکن وقت کی تعیین بجائے اس وقت کے رائج گھڑی گھنٹہ کے نماز کے حساب سے کرتے گئے ہیں، یعنی قبل نماز یا بعد نماز، گویا نظام الاولیاء کے نظام اوقات کا محور یا مرکز جو کچھ تھی نماز ہی تھی۔ بعد کی مجلسوں میں اس تصریح کا التزام، غالباً غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، لیکن ساری مجلسوں میں اتفاق اور کبھی کبھی نہیں بلکہ بار بار اور کثرت سے جن چیزوں کا ذکر ملتا ہے وہ نماز اور روزہ ہیں، اور نوافل وسنن اور قرآن اور تراویح! اور پھر احترام شریعت واتباع سنت کی تاکیدیں!

فقر و تصوف، شیخ کی نظر میں، نرے وجد و حال، ذوق و کیف کا نام نہ تھا، بلکہ ظاہر و باطن دونوں کی آراستگی کا نام تھا، اس تصریح کے بعد کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے، لیکن باطن خراب اور متعبد کہلاتے ہیں کہ گو طاعت بہت کرتے رہتے ہیں، لیکن دل ان کا دنیا ہی میں پھنسا رہتا ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کا ظاہر خراب ہوتا ہے، اور باطن آراستہ، اور یہ مجذوب کہلاتے ہیں، کہ گو اُن کا دل حق سے اٹکا ہوتا ہے تاہم یہ عمل سے محروم ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں ہی خراب ہوتے ہیں، اور یہ عوام کا لانعام ہوتے ہیں، شیخ فرماتے ہیں کہ ان تینوں طبقوں کے علاوہ چوتھا طبقہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن کا ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں، اور یہی طبقہ

وطائفہ کہ ہم ظاہر ایشاں آراستہ باشد و ہم باطن آں مشائخ اند (ص ۱۳۴)

جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں، یہی لوگ مشائخ، فقراء، ہیں

اہل طریق اتنا ہی نہیں کہ عموماً و عادتاً احکام شریعت کے پورے پابند رہتے ہیں، بلکہ کسی حال میں بھی فرائض کو ترک نہیں ہونے دیتے، استغراق و تحیر کی ایک منزل ایسی آتی ہے کہ یہاں پہنچ کر اگر تکلیفات شرعی کے ساقط ہونے کا دعویٰ کیا جائے، تو عجب نہیں کہ چل جائے، لیکن نظام الاولیا کی قوت ایمانی کو اتنی رعایت بھی گوارا نہیں، ایک بار مجلس میں ایسے متحیروں کا ذکر ہوا جو دنیا و مافیہا سے بالکل بیخبر رہتے تھے، ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ عرض کیا کہ فلاں مقام پر میں نے چند متحیروں کو دیکھا جو آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے برابر عالم حیرت میں رہا کرتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آکر نماز پڑھ لیتے تھے، اور اس کے بعد پھر اسی عالم تحیر میں واپس پہنچ جاتے تھے، خواجہ نے اس کی تصدیق فرمائی اور ارشاد ہوا

ہمچنیں باشد کہ گفتی، اگرچہ شب و روز متحیر باشند اما نماز ایشاں فوت نہ شود، از جہت ایں تحیر حکایت شیخ الاسلام حضرت قطب العالم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی فرمود قدس سرہٗ کہ او را ہمچنیں چہار شبانہ روز تحیر بود در وقت نقل (ص ۱۴۴)

بے شک ایسا ہی ہوگا جیسا تم نے بیان کیا، تحیر میں دن رات رہیں لیکن ان کی نماز چھوٹنے نہیں پاتی، اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی تحیر کی حکایت بیان فرمائی کہ وفات کے وقت مسلسل چار شب و روز ان پر تحیر طاری رہا،

خواجہ قطب الدین بختیار کے وصال کی حکایت عام طور پر مشہور ہے، ایک محفل سماع برپا تھی، نوبت جب غزل کے اس شعر کی آئی کہ

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو قطب عالم کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، جب خانقاہ سے گھر لائے گئے تو مدہوش و متحیر تھے، بس یہی کہے جاتے تھے، یا بس اسی شعر کی تکرار کئے جاتے ... اسی حال میں وصال ہوا

شیخ کی زبان سے سنیئے :-

ہمیں بیت پیش او می گفتند او	اسی شعر کی تکرار برابر ان کے سامنے ہو
ہمچناں متحیر می بود، چوں وقت	رہی تھی، اور اسی طرح مدہوش تھے،
نماز در آمد نماز می گزارد و باز	جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے
ہمیں بیت بگویاند، حالتے حیرتے	اور پھر اسی شعر کی تکرار کرانے لگتے،
پیدا می آمد، چہار شبانہ روز	اور حال و حیرت کا عالم ان پر طاری
ہم بریں حال بود، شب پنجم	ہوجاتا، چار شب و روز برابر یہ حالت
رحلت نمود (ص ۱۴۴)	رہی، پانچویں شب کو انتقال فرمایا۔

اللہ اللہ! کس درجہ کا اہتمام اتباع شریعت میں تھا، یعنی مدہوشی میں بھی اداے فرائض کا ہوش! ——— ایک مستی اور مدہوشی اس خواجہ چشت کی تھی کہ اپنے کھانے پینے، سونے جاگنے، اوڑھنے پہننے، زندگی و ضروریات زندگی کی طرف سے یکسر مدہوش و بیخبر، لیکن اللہ کے باندھے ہوئے فرض کے لئے باہوش و باخبر! اور ایک مستی آج کے "مستوں" اور "قلندروں" کی ہے کہ اپنے ہر آرام و آسائش بلکہ لطف و لذت کا ہوش اور صرف اللہ کے باندھے ہوئے فرائض کے باب میں مدہوش و بے خبر!

شیخ جس وقت التفات و شفقت خاص فرماتے اس وقت بھی تاکید، طاعت و عبادت ہی کی کرتے، جامع ملفوظات کہتے ہیں کہ ۲۱ شعبان ۹۰۰ھ کو جب حضوری نصیب ہوئی تو

بندہ را پیش طلبید، فرمود کہ باید	بندہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور
کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و	ارشاد کیا کہ ہمیشہ طاعت و عبادت
عبادت باشی و بہ اوراد و ادعیہ	میں اور دعاؤں کے ذریعہ سے مشغول
اگر ہم مطالعۂ کتاب مشائخ باشد	رہو، خواہ کتب مشائخ ہی کا مطالعہ ہو،
مشغول باشی و بے کار نہ باشی۔	بہر حال مشغول رہو، بے کار
(ص ۲۴)	نہ رہو۔

اسی طرح ۲۹ جمادی الآخری ۹۱۳ھ کی مجلس کے تحت میں ذکر ہے کہ سعادت قدمبوسی

حاصل ہوتی، نماز جماعت کے فضائل کا تذکرہ ہوا، بندہ سے ارشاد ہوا کہ نماز باجماعت ہی پڑھنی چاہیئے، بندہ نے عرض کیا کہ مکان کے قریب مسجد تو ضرور ہے۔ لیکن مکان سے اُٹھ کر اگر ہم وہاں جائیں تو گھر پر کوئی کاغذ، کتاب وغیرہ کی حفاظت کے لئے موجود نہیں رہتا۔ اس لئے مکان ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جماعت سے ضرور پڑھنا چاہیئے، اور بہتر یہی ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے۔" (ص ۱۰۲)

ایک اور موقع پر حضرت سلطان المشائخؒ ایک اور بزرگ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اوراد و تسبیح، نماز و روزہ ان سب کی مثال دیگ کے مصالحہ کی ہے، اور دیگ کا گوشت ترکِ دنیا ہے، سو جس طرح محض نمک اور گھی اور مصالحہ ڈال دینے سے قورمہ نہیں تیار ہو سکتا جب تک گوشت بھی نہ ملایا جائے، اسی طرح حب دنیا کے ترک کئے بغیر سارے اعمال بے نتیجہ ہیں، لیکن جس طرح گوشت اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے اس طرح ترک دنیا اگر موجود ہے تو اہل طریق کے ہاں بجائے خود دقیق
لیکن خود ترک دنیا کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ جوگ اور رہبانیت کے مترادف قرار پا جائے۔ شیخ فرماتے ہیں:

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را — ترک دنیا کے معنی یہ نہیں کہ انسان اپنا
برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و — لباس اتار دے یا لنگوٹا باندھ لے،
بنشیند، ترکِ دنیا آں است کہ — ترک دنیا کے معنی یہ ہیں کہ انسان لباس
لباس بہ پوشد و طعام بخورد اما آنچہ — بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے البتہ جو
میرسد روا بدارد و بہ جمع او — ملتا ہے [illegible]
میل نہ کند و خاطر را متعلق چیزے — [illegible]
نہ آورد ترکِ دنیا ست اینست — [illegible]

ان اوراق میں یہ بار بار آچکا ہے کہ طریقت شریعت سے جدا ہے، اس کی مخالف نہیں، بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام ہے، فقہاء نے شریعت کے ظاہری پہلو کو لے لیا، اور فقراء نے اپنی نظر باطنی پہلو پر جمائے رکھی، شیخ کے ملفوظات میں اسی خیال کی تکرار ملتی ہے۔

ایک روز شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت بیان فرمائی کہ آپ سیاحی کرتے ہوئے بدایوں وارد ہوئے اور یہاں قیام فرمایا، ایک روز قاضی شہر کے مکان پر ملنے گئے، خدمت گاروں نے کہا کہ ابھی قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں، شیخ نے تبسم کے ساتھ فرمایا، قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں"؟ دوسرے قاضی صاحب شیخ کی قیام گاہ پر آئے، اور بولے "کل آپ نے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ میں تو مسائل و احکام نماز پر کتابیں لکھ چکا ہوں"! شیخ نے کہا "عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے، اور فقیروں کی دوسری" قاضی صاحب بولے "کیا فقیر کوئی اور قرآن پڑھتے ہیں؟ یا رکوع اور سجدہ کسی نئے طریقہ پر کرتے ہیں، شیخ نے فرمایا عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کریں، یا اگر دور ہیں تو جہت کعبہ کو، اور اگر اس کا بھی پتہ نہ چل سکا تو اندازہ سے جہت کعبہ کو تصور کر کے نماز شروع کر دی، لیکن درویشوں کی نمازیوں نہیں ہوتی، وہ جب تک عرش الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے، نماز نہیں شروع کرتے۔ ۲۲۶-۱

محبت اور سچی محبت کیا شے ہے؟ اس کا جواب عاشقوں کے اسی سردار کی زبان سے سن لیجیے فرماتے ہیں:-

صدق محبت متابعت ست	سچی محبت پیروی ہی کا دوسرا نام ہے۔

اور پھر فرماتے ہیں کہ محبت کا نقشہ جم جانے کے بعد معصیت کی جرأت ہی کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

چوں کسے محب ایشاں شد ہر آئنہ	جب کوئی اُن سے محبت کرے گا تو یقیناً
متابعت ایشاں کند وازناشایستہ	اُن کی پیروی بھی کرے گا اور اعمال
دور باشد، چوں ایں چنیں	ناشایستہ سے دور رہے گا، اور جب
شود ہر آئینہ گناہ نہ نویسند،	ایسا ہو گا تو لامحالہ اس کے گناہ بھی
آں گاہ فرمودہ کہ تا محبت حق	نہ لکھے جائیں گے، پھر ارشاد ہوا کہ محبت حق
در غلاف قلب باشد امکان	جب تک غلاف قلب میں ہے گناہ کا امکان
معصیت ست اما چوں محبت	باقی ہے، لیکن جب محبت سویدا رِ قلب میں
در سویدا رِ قلب در آید بیش	گھر کر جاتی ہے تو معصیت کا امکان نہیں باقی

امکان معصیت نہ باشد (ص۲۰۹) — (رہتا یعنی عاشق صادق سے نافرمانی ممکن کیونکر ہے؟)

یہاں باجہ کے ساتھ سماع سرے سے جائز ہی نہ تھا۔

کسے از حاضرین گفت کہ ہمدریں روزہا بعضے از درویشانِ آستانہ وارد بر مجمع کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقصہا کردند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ نیکو نہ کردہ اند، آنچہ نامشروع ست ناپسندیدہ ست (ص۲۲۷)

حاضرینِ محفل میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک روز آستانہ مبارک کے حاضر باش بعض درویش ایسے مجمع میں جس میں چنگ و رباب و مزامیر تھے، رقص کر رہے تھے، حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ بُرا کیا، جو شے شرعاً ناجائز ہے، وہ بُری ہے۔

جب درویش لوٹ کر آئے تو ان پر گرفت ہوئی کہ اس مجلس میں باجہ بھی تھا تم نے سماع کیسے سنا؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ "ہم سماع میں اس قدر غرق و مست ہو گئے کہ ہمیں باجہ کے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہ چلا" حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ جواب لغو ہے، وہ عمل معصیت ہی لکھا جائے گا" (ص۲۲۷)

ایک اور بار کا ذکر ہے، ایک شخص نے آکر خدمت والا میں عرض کی کہ فلاں مقام پر آپ کے مرید باجہ کے ساتھ سماع سن رہے تھے، شیخ نے ناگواری کے ساتھ فرمایا کہ "بے جا حرکت کی ہے، میں کہہ چکا ہوں کہ باجہ نہ ہو" پھر اس کی تاکید و تصریح میں فرمایا "نماز [illegible] ہو رہی ہو، اور جماعت میں عورتیں بھی شامل ہوں، اور نماز میں امام کو سہو ہوا ہو، تو [illegible] کہہ کر امام کو متنبہ کر سکتے ہیں، لیکن عورت اگر لقمہ دینا چاہے، تو آواز نہ نکالے [illegible] کے کان میں جائے گی، بلکہ صرف ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متوجہ کرے [illegible] رکھے کہ ہتھیلی ہتھیلی پر نہ مارے کہ یہ تالی بجانے کی سی شکل ہو گی اور وہ لہو میں داخل ہے بلکہ ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی پشت پر مارے، تو جب لہو کے درجہ کی چیز [illegible] یہ احتیاط ہے کہ دستک تک کی اجازت نہیں، تو باجہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے (ص۹۵)

لوگوں نے کہیں سے سن پایا کہ شیخ [illegible] منع تھے اور [illegible]

لئے پھرتے ہیں، ظالموں کو اس کی خبر ہی نہیں، کہ آپ کے ہاں قیدیں اور شرطیں کیسی کیسی کڑی لگی ہوئی ہیں۔

گفت ہرگاہ کہ چند چیز جمع شود
سماع انگاہ شنود، و آں چند
چیز چیست؟ مسمع و مسموع و
مستمع و آلت سماع۔ انگاہ ایں
تقسیم را فائدہ فرمود و گفت کہ
مسمع گویندہ ست او می باید کہ
مرد باشد و مرد تمام بود، کودک نہ
باشد و عورت نہ باشد، مسموع
انچہ می گویند، باید کہ ہزل و فحش نباشد
مستمع آں کہ می شنود او ہم باید کہ
بہ حق بشنود و مملو از یاد حق باشد
آلت سماع چوں چنگ و رباب و
امثال آں باید کہ درمیان نہ باشد
ایں چنیں سماع حلال است (فت ۲۲۶)

فرماتے تھے کہ سماع اس وقت ہے جب
یہ چند چیزیں اکٹھا ہو جائیں اور وہ چند
چیزیں ہیں کیا؟ ایک مسمع دوسرے
مسموع تیسرے مستمع، چوتھے آلہ سماع۔
پھر اس قسم کی شرح یوں فرمائی، مسمع
سے مراد گانے والا ہے، اسے مرد
بالغ ہونا چاہیئے، امرد اور عورت نہ ہو۔
مسموع سے مراد کلام ہے، کلام میں ہزل
فحش کی آمیزش نہ ہو، مستمع سے مراد
سننے والا ہے، اسے چاہیئے کہ اللہ کے
لئے سنے، اور اس کا دل یاد الٰہی سے
لبریز ہو، اور آلہ سماع مثل چنگ و
رباب وغیرہ کے کچھ نہ ہو، جب یہ شرائط
جمع ہوں تب جا کر سماع جائز ہوگا،

آج عرس کے کتنے مجمعوں اور قوالی کی کتنی محفلوں میں یہ شرطیں اور قیدیں پوری نہ سہی آدھے درجہ میں بھی ملحوظ رہتی ہیں؟ کتنے سماع خانوں کی مجلسیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں لیکن اتنی شرطوں اور قیدوں والے سماع سے متعلق بھی ابھی قول فیصل باقی ہے۔

سماع صوتے ست موزوں چرا حرام
باشد، دیگر تحریک قلب ست، اگر
آں تحریک بہ یاد حق باشد مستحب ست

سماع تو محض آواز موزوں کا نام ہے، محض
اتنے کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں، پھر
ساتھ ہی قلب کی بھی تو تحریک ہوتی ہے۔

واگر میل بہ فساد باشد حرام بود، (صـ۲۴۶)

سو اگر یہ تحریک اللہ کی یاد کی موجب تو مستحب ہے لیکن اگر اس میں خرابی کا جزو ہو تو حرام ہے۔

جس سماع چشتیہ کی اتنی دھوم تھی، اس کی کل حقیقت آپ نے دیکھ لی؟ سب سے بڑی اور تاکیدی شرط یہ ہے کہ باجہ کسی قسم کا نہ ہو، تالیاں تک نہ بجنے پائیں، پھر گانے والے بالغ مرد ہوں، عورتوں اور لڑکوں کے گانے کے جواز کی کوئی صورت ہی نہیں، پھر کلام بھی سرتاسر حقانی ہو، جذبات نفسانی کو جھڑکانے والا نہ ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سننے والا تمام تر مرد حق ہو، جذبات نفسانی سے لذت لینے والا نہ ہو، یہ سب شرطیں اکٹھی ہو لیں، جب جاکر سماع درست ہوگا۔

باب [1]

منطق الطیر

(از شیخ فریدالدین عطارؒ)

۱۔ مصنف

مسلّم و مستند کتب تصوف میں ایک بڑا حصّہ کلام نظم کا ہے ۔ نثر پر گفتگو ہو چکی ۔ اب نظم کا سرسری جائزہ لینا ہے ۔ پہلے نمبر پر حضرتِ عطارؒ ہیں جن کا نام حکیم سنائی کے ساتھ ساتھ زبانوں پر آتا ہے ۔

اسم مبارک محمد بن ابی بکر ابراہیم ۔ کنیت ابوحامد یا ابوطالب ، لقب فریدالدین ، تخلص عطار ، عام زبانوں پر اسم مشہور فریدالدین عطار ۔

ولادت مضافات نیشاپور میں ہوئی ، مزار بھی وہیں ہے ۔

سنہ ولادت ۵۱۳ھ ۔ سالِ وفات میں اختلاف ہے ۔ نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۲۷ھ ۔ عمر کے بہت طویل ہونے پر سب تذکرے متفق ہیں ۔ سبب وفات بھی سب کو مسلم ہے ۔ یعنی تاتاریوں کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرمایا ۔

ابتداء میں ایک بڑے دواخانہ کے مالک تھے ۔ ایک روز اپنے کاروبار میں تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر کچھ دلاؤ ۔ یہ کچھ متوجہ نہ ہوئے ۔ اس نے صدا پر صدا لگائی اور جب دیکھا کہ کچھ اثر نہیں ہوتا تو بولا ایسے دھندے میں لگے ہوئے تو جان کیسے دوگے ؟

---

[1] ماخذ :۔ نفحات الانس (جامی) ، (۲) "تذکرہ ہفت اقلیم (امین رازی) ، (۳) "تذکرۃ الشعراء (دولت شاہ سمرقندی) ، (۴) ، مفتاح التواریخ (ولیم ٹامس بیل) ،

جھنجھلا کر بولے " جیسے تم دو گے " ۔ فقیر نے کہا " بھلا میری طرح کیا دو گے ؟ " یہ کہا اور سر کے نیچے کشکول رکھ کر لیٹ گیا ، زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا اور رُوح پرواز کر گئی ۔ شیخ کے قلب پر بڑا اثر پڑا ، دوا خانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا اور خود اُسی وقت سے درویشی اختیار کر لی ۔

پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کیے ۔ پھر سفرِ زیارت بیت اللہ کو نکلے اور بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہے ۔ بالآخر شیخ مجد الدین بغدادی کے ہاتھ پر بیعت کی ، اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کیے کہ خود مرشد کے لیے باعثِ فخر ہوئے ۔

جلالتِ قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانائے رومؒ کے کلیات میں شیخؒ کا نام گویا مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے آیا ہے اور ان کی عظمت کا بار بار اعتراف ہے ۔ مثلاً ؎

گرد عطار گشت مولانا ۔۔۔ شربت از دستِ شمس بود ش نوش

ایک اور غزل میں ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ او ۔۔۔ ما در پسِ سنائی و عطار آمدیم

یا ایک اور موقع پر ؎

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت ۔۔۔ ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم

اسی تعظیم و احترام کے ساتھ مثنوی میں بھی جا بجا نام لیا ہے ، اور ان کے اشعار اپنے کلام میں نظم کیا ہے ۔

اور ملا جامی لکھتے ہیں :

آں قدر اسرارِ توحید و حقائقِ اذواق ۔۔۔ توحید کے جتنے اسرار و نکات اور وجد و
و مواجید کہ در مثنویات و غزلیات وے ۔۔۔ حال کے جتنے لطائف و حقائق ان کی
اندراج یافتہ در سخنان ہیچ از ایں طائفہ ۔۔۔ مثنویوں اور غزلوں میں ملتے ہیں ، سے
تا بجز آں شعر و جزاہ اللہ سبحانہ عن ۔۔۔ طائفۂ صوفیہ میں اور کسی کے ہاں نہیں
الطالبین المشتاقین خیر الجزاء ۔۔۔ ملتے ، اللہ ان کو تمام طالبین عاشقین
(نفحات ص ۲۶) ۔۔۔ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ۔

نظم و نثر میں ان کی تصنیفات بڑی کثرت سے چھپ چکی ہیں ۔ بعض واقعات سے معلوم ہو

اُن کی تعداد قرآنی سورتوں کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے ۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں بھی روایت اختیار کی ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں ۔

ہماں خریطہ کش وارد ے فنا عطار
کہ خرد اوست شفا بخش عاشقان حزیں

مقابل عدد سورۂ کلام نوشت
سفینہائے عزیز و ثنا بہائے گزیں

اس تعداد کی صحت کا علم تو عالم مطلق ہی کو ہے ۔ البتہ ذیل کی کتابیں مستند کہی جا سکتی ہیں اور اُن میں سے بعض تو بہت مشہور بھی ہیں :-

۱۔ "تذکرۃ الاولیاء" ۲ جلد (نثر میں قدمائے صوفیہ کا مفصل تذکرہ)
۲۔ منطق الطیر (اسی پر تبصرہ آگے آتا ہے)
۳۔ مصیبت نامہ
۴۔ اسرار نامہ
۵۔ الٰہی نامہ
۶۔ دیوان
۷۔ بلبل نامہ
۸۔ پند نامہ
۹۔ وصیت نامہ
۱۰۔ خسرو و گل
۱۱۔ شرح القلب

شیخ کی جانب منسوب ایک کتاب لسان الغیب کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم (لندن) میں موجود ہے ۔ لیکن اس کے جو اشعار مصنف کی شیعیت کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں ، وہ خود اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب شیخ کی نہیں ہو سکتی ۔ شیخ کا اہل سنت ہونا اپنی جگہ پختہ ہے اور یہ کلام کسی اہل سنت کا نہیں ہو سکتا ۔

مزاج میں خاکساری اور فروتنی جس درجہ کی تھی ۔ اس کی شہادت تذکرۃ الاولیاء کے دیباچہ کی سطر سطر دے رہی ہے ۔ اپنے کو سب سے زیادہ حقیر و ناچیز سمجھتے تھے ۔ ارشاد

پر اسی انکسار و تواضع ہی کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج ان کا نام سرآمد عاشقان و سرتاج عارفاں کی حیثیت سے زندہ و روشن ہے!

شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو گرفتار کیا۔ ایک راہگیر نے بڑھ کر کہا کہ "دیکھنا اس پیر مرد کو قتل نہ کر دینا، دس ہزار اشرفیاں نقد دیتا ہوں کہ ان کو چھوڑ دو۔" شیخ نے کہا "خبردار! اتنے پر فروخت نہ کر دینا، میں اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں۔" سپاہی خوش ہوا کہ دولت اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ آئے گی۔ آگے بڑھے ایک اور شخص ملا، اس نے کہا کہ میاں سپاہی اس بوڑھے کو مجھے دے ڈالو، میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں۔ شیخ بولے "ہاں بیچ ڈالو، کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے۔" سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ دس ہزار اشرفیاں مفت کھوئی ہاتھ سے گئیں، جھلا کر وہیں معاً سر تن سے جدا کر ڈالا [illegible]

تصنیف

اب تک جن کتابوں سے تعارف ہوا ہے شیخ کی تصنیف ہیں [illegible] معارف روحانی و حقائق عرفانی کو نظم میں [illegible] کمال پر پہنچایا [illegible] [illegible]

تذکرۃ الاولیا [illegible] [illegible]

ارشاد فرمانی جانے۔ ادھر فرمایش کی تعمیل فرمایش سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی۔

مثنوی معنوی اور منطق الطیر کا وزن ایک ہے، موضوع ایک ہے، اور انسانوں سے اخلاق و معرفت کے درس حاصل کرنے کا اسلوب ایک ہے۔ مولانا نے عطار کا حق تقدم اپنی مثنوی میں جا بجا تسلیم کیا ہے، اور جا بجا ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کرتے گئے ہیں۔

مضامین کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ حمد و نعت و منقبت خلفاے اربعہ کے بعد اصل قصہ کا آغاز ہے، افسانہ کے اشخاص (یا آج کی زبان میں کردار) بجاے انسانوں کے چند پرندے فرض کیے ہیں، ہُدہُد، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہا۔ ایک روز یہ سب پرندے یکجا ہوتے ہیں اور اپنا بادشاہ منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ ہُدہُد سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں۔ ہُدہُد ایک ایک کا اعتراض سنتا اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے۔ آخر اس پیامبر حق و عرفان (ہدہد) کی تبلیغ و تفہیم سے تمام طیور شاہ شاہان سیمرغ کے حلقۂ اطاعت و انقیاد میں آ جاتے ہیں۔ سوالات وہی ہیں جو عموماً ہر طالب و سالک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے جوابات، جادہ سلوک و طریقت کے مختلف مقامات ہیں۔

لفظ منطق الطیر قرآن مجید ہی کی ایک آیت سے ماخوذ ہے وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (نمل، ع ۲) ہُدہُد طیور سلیمان میں فہم و دانش میں سب سے ممتاز تھا، اس لیے شیخ نے طریقت کے حقایق و معارف اسی کی زبان سے ادا کرائے ہیں۔

حمد بہت مفصل لکھی ہے۔ سب سے زیادہ زور بندہ کی بیچارگی، بے علمی درماندگی پر ہے۔

لب بدوز از عرش و ز کرسی مپرس | گرچہ یک ذرہ ہمی پرسی مپرس
عقل تو چون در سر موے بہ سوخت | بر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کس نہ داند کنہ یک ذرہ تمام | چند گویم کس نہ داند والسلام

(ص ۳)

اسماے مبارک حکیم و لطیف کی تجلیات حیرت انگیز ہیں۔ عقل البشری حوادث فطرت کو

دیکھ دنگ رہ رہ جاتی ہے۔ انبیائے کرامؑ تک کو عجیب و غریب حالات میں رکھا گیا ہے ؎

سوئے کنہ خویش کس را راہ نیست ۔۔۔ ذرہ از ذرہ آگاہ نیست

در نگر اول کہ با آدم چہ رفت ۔۔۔ عمرہا او دریں عالم چہ رفت

باز بنگر نوح در غرقاب کار ۔۔۔ تا چہ بُرد از کافراں سال ہزار

یعقوبؑ کی سرگردانی و گریہ زاری۔ یوسفؑ کی غلامی اور اسیری، ایوبؑ کی ستم کشی و برداشت مصائب، یہ چند نمونے ہیں باقی تقریباً تمام انبیا کی زندگی طلسم ساز فطرت کی انہی کرشمہ زائیوں کا ایک مسلسل مظہر ہے۔ اور تو اور خود سرور انبیاؐ تک کی حیات طیبہ اسی قسم کے خوارق فطرت سے لبریز ہے ؎

عنکبوتے را بہ حکمت دام داد ۔۔۔ صدر عالم را درو آرام داد

معرفت باری کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس ہستی مطلق میں گم کر دے ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس ۔۔۔ تو درو گم شو وصال این ست و بس

تو درو گم شو حلولے آں بود ۔۔۔ ہر چہ آں نبود فضولے آں بود

اس تک رسائی کا راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی بے بسی و عجز کا اعتراف کیا جائے، بجائے [illegible] سے ڈرنے کے خود اپنے سے ڈرا جائے، اور بارگاہ ارحم الراحمین میں [illegible] مناجات کی جائے، کہ خدا اپنے درد و محبت کا ایک ذرہ ہی عنایت کردے ؎

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود ۔۔۔ کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

لوگ تو تجھ سے ڈرتے ہیں لیکن میں اپنے ہی سے ڈرتا ہوں، اس لیے کہ تجھ سے تو بھلائی کا ہوا ہے اور اپنے سے مجھ پر برائی کا۔

اے فضیلت نا شدہ ناپید کس ۔۔۔ [illegible]

تیرے فضل و رحمت سے آج تک کوئی مایوس نہیں ہوا ہے، تیری ہی [illegible]

میرے لیے عشق کو کافی ہے۔

بر کرانہ عشق نیست [illegible] ۔۔۔ [illegible]

جو دل تیرے درد سے لطف لینے والا نہیں، وہ نالائق کسی خوشی کے قابل بھی نہیں۔

ذرّہ دردم دہ اے درمانِ من ‏ ‏ ‏ ‏ زانکہ بے دردت بمیرد جانِ من

اے میرے طبیب درد و محبت کا ایک ذرہ عنایت کر، کہ تیرے درد محبت کا نہ ہونا تو میری جان کی موت ہے۔

کفر کافر را و دیں دیندار را ‏ ‏ ‏ ‏ ذرّۂ دردت دلِ عطار را (۱۴۱)

کافر کو کفر مبارک رہے اور دیندار کو دین اور عطار کو تیرے درد کا ایک شمہ!

نعت گوئی شیخ عطار کا خاص جوہر ہے، کہنا چاہیے کہ اس صنفِ سخن کے مالک ہیں۔ خلوص و نیاز کا رنگ لفظ لفظ سے پھوٹا پڑتا ہے ؎

خواجۂ دنیا و دیں گنجِ وفا ‏ ‏ ‏ ‏ صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰ

آفتابِ شرع و دریائے یقیں ‏ ‏ ‏ ‏ نورِ عالم رحمۃ للعالمین

خواجۂ کونین سلطانِ ہمہ ‏ ‏ ‏ ‏ آفتابِ جان و ایمانِ ہمہ

پیشوائے ایں جہان و آں جہاں ‏ ‏ ‏ ‏ مقتدائے آشکارا و نہاں

خواجہ کز ہرچہ گویم بیش بود ‏ ‏ ‏ ‏ در ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

آفرینش را بجز او مقصود نیست ‏ ‏ ‏ ‏ پاکدامن تر از و موجود نیست

عقل را در خلوت او راہ نیست ‏ ‏ ‏ ‏ علم نیز از وقت او آگاہ نیست

رفت موسیٰ بر بساطِ آنجناب ‏ ‏ ‏ ‏ خلع نعلیں آمدش از حق عتاب

باز در معراج شمعِ ذوالجلال ‏ ‏ ‏ ‏ می شنید آوازِ نعلین بلال

موسیٰ عمراں چوں آں دولت بدید ‏ ‏ ‏ ‏ چاکر او را چنیں قدرت بدید

گفت یارب امتِ او کن مرا ‏ ‏ ‏ ‏ در طفیل ہمت او کن مرا

حضرات انبیا کے درمیان تفاضل امتی کو زیب نہیں دیتا، بلکہ ایک حد کے آگے تو قطعاً ناجائز ہے، لیکن اگر زیادہ سے زیادہ ان حدود تک رہے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ آگے مناقب خلفاء اربعہ کا بیان ہے۔ بعض حلقوں میں عطار کو امامیہ مشہور کرنے کی جو عجیب کوششیں ہوئی تھیں اور اس کی تائید میں جو لغو اشعار ان کی جانب منسوب کیے گئے ؟

ذرا اس کو پیش نظر رکھ کر ذیل کی مدح صحابہ سننے کے قابل ہے۔ ابتداءً افضل البشر بعد از انبیاء سے ہوتی ہے ؎

خواجۂ اوّل کہ اوّل یار اوست　　ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

صدر دیں، صدیق اعظم قطب حق　　در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہر چہ حق از بارگاہِ کبریا　　ریخت در صدر شریف مصطفیٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت　　لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

فاروق اعظمؓ کی جلالت قدر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

خواجۂ شرع آفتاب شرع دیں　　ظلّ حق فاروق اعظمؓ شمع دیں

ختم کردہ عدل و انصافش بحق　　تا فراست بردہ بر جنش سبق

آنکہ دارد بر صراط اوّل گذر　　ہست او از قول پیغمبر عمرؓ

ذوالنورین کی فضیلت مراتب پر روشنی ڈالنے کے لیے اشعار ذیل کافی ہیں ؎

خواجۂ سنّت کہ نور مطلق است　　بل خداوند دو نور بر حق است

آنکہ غرق قدس قرآں آمدست　　صدر دیں عثمان عفاں آمدست

رونقے کاں عہد کونین یافت　　از دل پر نور ذوالنورین یافت

یوسف ثانی بہ قول مصطفیٰ　　بحر تقویٰ و حیا کان وفا

اہل سنت کا عقیدۂ صحیح ناقص و نا تمام رہ جانے کا اگر حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں [illegible] عقیدت کا گلدستہ نہ پیش کیا گیا ؎

خواجۂ حق پیشوائے راستیں　　کوہ حلم و بحر علم و قطب [illegible]

ساقی کوثر امام رہنمائے　　ابن عم مصطفیٰ [illegible]

مرتضیٰ و مجتبیٰ زوج بتول　　خواجۂ معصوم داماد رسول

مقتدائے دین باستحقاق اوست　　مفتی مطلق علی الاطلاق اوست

اس کے بعد حضرت واسطی کے ساتھ [illegible] اس موضوع کی مدد [illegible] وہ لوگ خلفائے ثلاثہ سے تعصب رکھتے ہیں، وہ حضرت علی مرتضیٰ کی تعلیم و ہدایت سے نا واقف [illegible]

دشمن ہیں اور اس قول کی تائید میں آپ کی سیرت مبارک سے کئی واقعات نقل کیے ہیں۔
ہُدہُد یا پیغمبرِ حق تمام طیور جمع ہونے پر انھیں دعوت دیتا ہے کہ سب اپنے کو
سلطانِ مطلق کی حکومت و انقیاد میں لے آئیں اور یہ مرتبہ سلطانی حق سیمرغ کا ہے۔ ساتھ
ہی وہ اس سیمرغ کے اوصاف بھی بیان کرتا ہے۔ ان صفات پر نظر کرنے سے سمجھ میں خود
آجائے گا کہ سیمرغ سے کنایہ کس ذات عالی کا ہے اور افسانہ کے پردہ میں کن حقائق و
معارف کی تلقین ہو رہی ہے۔

نامِ او سیمرغ سلطانِ طیور | او بما نزدیک و ما زو دور دور
صد ہزاراں پردہ دارد بیشتر | ہم ز نور و ہم ز ظلمت بیشتر
در دو عالم نیست کس را زہرہ | کہ تواند یافت ازوے بہرہ
دائما او پادشاہ مطلق ست | در کمالِ عزّ خود مستغرق ست
نے بروہ نے شکیبائی ازوست | صد ہزاراں خلق سودائی ازوست
ہیچ دانائے کمالِ او ندید | ہیچ بینائے جمالِ او ندید

یعنی وہ ہم سب کا بادشاہ جو سب سے متصل ہے۔ ہم ہی البتہ اس سے بیگانہ ہیں
وہ لاکھوں پردوں میں ہے اور اس کا وجود نور و ظلمت دونوں سے قبل سے ہے۔ کائنات
میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ وہ سب کا ازلی و ابدی بادشاہ
مطلق ہر وقت اپنے شان کمال میں غرق ہے۔ ہزارہا مخلوق اس غم میں پریشان ہے کہ نہ اس
تک رسائی کی راہ ملتی ہے اور نہ اس کی طرف سے صبر کرکے بیٹھ جانا ممکن ہے۔ نہ کوئی عقل
اس کے کمال کو آج تک پہنچ سکی ہے، نہ کوئی آنکھ اس کے جمال سے مشرف ہو سکی ہے۔
باقی ساری کتاب اسی حقیقۃ الحقائق، اسی ذات علی الاطلاق، اسی مبتغی و مراد الورا
کی توصیف اور اس تک رسائی کی تدبیر اور منازل سفر کی تفصیل کی نذر ہے۔
چند مضامین و مطالب بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں، یہی انداز ساری کتاب کا ہے۔
راہِ طلب و سلوک میں سب سے بڑا رہزن نفس کا شوق جاہ و ترفع ہے۔ انسان
بڑی بڑی ریاضتیں گوارا کر لیتا ہے، سخت سے سخت مجاہدے جھیل لے جاتا ہے، مگر

خلق میں اُس کے زہد و عبادت کی شہرت ہو جائے، حالانکہ یہی حب جاہ اس سفر میں سخت ترین سنگ گراں ہے، شیخ شبلی ایک مرتبہ لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے، بڑی تلاش کے بعد مخنثوں (زنانوں) کے ایک گروہ کے درمیان بیٹھے ہوئے ملے، آنکھیں تر اور ہونٹ خشک، کسی نے حیرت کے ساتھ سوال کیا، آپ نے جواب دیا کہ جیسے یہ لوگ نہ عورت ہیں نہ مرد، میں بھی راہ دین میں نہ مرد ہوں نہ عورت، بداعمالیوں کی کثرت سے میری زندگی خود میرے لیے باعثِ شرم ہے، عارف کو چاہیے کہ اسی طرح اپنے کو ذلیل و خوار رکھے ۔

ہمچو مردان ذل خود کن اختیار　　گرد در راہ سالکاں عزت شمار
گر تو بیش آئی ز موے در نظر　　خویشتن را از بتے سازی بتر
مدح و ذمت گر تفاوت میکند　　بتگرے باشد کہ او بت می کند
گر تو حق را بندہ بتگر مباش　　ور تو مرد ایزدی آزر مباش
نیست ممکن درمیان خاص و عام　　از مقام بندگی برتر مقام
چوں ترا صد بت بود در زیر دلق　　چوں نمائی خویش را صوفی بخلق
اے مخنث جامۂ مرداں مدار　　خویش را زیں بیش سرگرداں مدار

ایک مرتبہ قاضی شہر کے پاس دو صاحب اپنے تنازعہ کا فیصلہ کرانے آئے، دونوں لباس اور ظاہر سے صوفی بنے ہوئے تھے، قاضی انھیں تنہائی میں لے گئے اور بڑی محبت سے [illegible] کہ جسم پر لباس تو یہ ترک و تسلیم کا، اور دل بدستور ان دنیوی جھگڑوں میں الجھا ہوا، اگر دل ترک پر آمادہ نہیں تو یہ لباس ہی پہنا کیا ضرور تھا۔

باطن کا دعویٰ نہیں رکھتا محض معاملات کا عالم ہوں، لیکن یہ اتنا جانتا ہوں ——— یہ درویشی تو تمامتر ترک و تحمل کا معاملہ ہے

دو صوفی آمدند و در جنگ　　[illegible]
قاضی ایشاں را بکنجے برد باز　　گفت صوفی را نشاید جنگ ساز
جامۂ تسلیم در بر کردہ اید　　این خصومت از چہ در سر کردہ اید
گر شما ہستید اہل جہل و کین　　این لباس از تن برون آرید زین

ورشما این جامہ را اہل آمدید — درخصومت از سر جہل آمدید
منکہ قاضی ام نہ مرد معنوی — زین مرقع شرم میدارم قوی
گر بہ دعوی عزم این میدان کنی — سر دہی بر باد ترک جان کنی (عطار)

نفس کی شقاوت کی کوئی حد نہیں۔ انسان کی نظر سے درد انگیز عبرتناک واقعات کیسے کیسے ہر روز گزرتے رہتے ہیں، پھر بھی اسے عبرت حاصل ہوتی ہے نہ نصیحت۔ کسی نے ایک مسن گورکن سے سوال کیا، کہ "تمھاری تو عمر قبروں کے کھودنے میں گزری، یہ بتاؤ کیا کیا عجائبات نظر سے گزرے۔" جواب ملا کہ سب سے بڑا عجوبہ یہ ہے کہ ستر سال گورکنی کرتے ہوگئے اور اپنا نفس ایک لمحہ کے لیے بھی مردہ نہ ہوا ؎

یافت مردے گورکن عمرے دراز — سائلش گفتہ کہ چیزے گو باز
چہ عمرے گور کندی در مغاک — چہ عجائب دیدۂ در زیر خاک
گفت این دیدم عجائب حسب حال — کیں سگ نفسم ہمیں ہفتاد سال
گور کردن دید و یک ساعت نہ مرد — یک زمان فرمان و یک طاعت نہ برد

سب سے زیادہ زور دینے کے قابل علائق دنیوی کا ترک ہے۔ حب دنیا حیات ایمانی کے حق میں زہر ہے ؎

حب دنیا ذوق ایمانت ببرد — آرزویش پر تو جانت سپرد
چیست دنیا آشنائے حرص و آز — ماندہ از فرعون و ز نمرود باز
کار دنیا چیست؟ بیکاری ہمہ — چیست بیکاری؟ گرفتاری ہمہ
ہست دنیا آتش افروختہ — ہر زمان خلقے دگر را سوختہ (سنائی)

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کھری زمین پر استراحت فرمارہے تھے اور سر کے نیچے ایک چھوٹی سی اینٹ تکیہ کے طور پر رکھ لی تھی۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ابلیس پاس کھڑا ہے۔ فرمایا: "ملعون، تیرا یہاں کیا کام ہے؟" اس نے جواب دیا: "یہ اینٹ میری ملک

---

[1] سجادگی اور نذر و نیاز کے دعویدار، مقدس باز قسم کے "مشایخ" نے یہ حکایت سن لی ہے۔

ساری دنیا ہی میری ملک ہے۔ اور یہ اینٹ بھی اسی کا ایک جزو ہے۔ آپ اس کو اپنے کام میں لائے۔ تو آپ نے خود ہی مجھ سے توسل پیدا کیا۔ حضرتؒ نے یہ سنتے ہی اینٹ پھینک دی اور دوبارہ استراحت کر لیٹے۔ ابلیس بولا: "اب بیشک آرام کیجئے۔ اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں رہا۔" (ص ۱۰۸-۱۰۹)

ایک صاحب نے بعد نماز دعا کی کہ "کارساز عالم! میرے حال پر رحم کر۔" ایک دل جلا جل کر بولا: "تم اور طلب رحمت! ہمہ وقت تو اپنی خود پرستیوں میں مست ہو۔ مکان ہے تو عالی شان، در و دیوار ہیں تو زرنگار۔ کام کاج کے لیے غلاموں کی کھیپ کے کھیپ کے محتاج، کنیزوں کی ضرورت اس پر مستزاد، خود پرستی میں یہ انہماک و اہتمام، اور اس پر نزول رحمت کی توقع و طلب، واقعی اگر رحمت باری کی تمنا ہے تو پہلے اپنے کو خیر سے توفیق ابتہال کرو۔ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ ؎

تو ز ناز خود نہ گنجی در جہاں | می خرامی از تکبر ہر زماں
منظرے سر بر فلک افراشتہ | چار دیوارش بزر بنگاشتہ
دہ غلام و دہ کنیزک کردہ راست | رحمت آنجا کے بود بر کوے راست
یک نگر تا تو با ایں جملہ کار | جائے رحمت داری آخر شرم دار
روے اکنوں می بگرداں از تبہ | تا شوی فارغ چو مرداں از تبہ

مومن کو رحمت الٰہی کی طرف سے مایوس کبھی نہ ہونا چاہیے، گناہ کیسے ہی اور کتنے ہی ہوں، بہرحال رحمٰن و رحیم کی رحمت ان سے وسیع تر ہے [illegible] ہے، مومن کو چاہیے کہ ہر حال میں اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔ اور [illegible] توبہ میں مشغول رہے۔

اس مضمون کو مختلف پیرایوں میں بار بار ادا کیا ہے۔ مثلاً کہیں یوں ؎

تو یقیں می داں کہ صد عالم گناہ | [illegible]
[illegible] | [illegible]

اور کہیں یوں ؎

گر نہ بوئے مرد را توبہ قبول ... کے بدے ہرگز براے او نزول
گر گنہ کردی درِ توبہ ست باز ... تو بکن کیں ورنہ خواہد شد فراز
گر بہ صدق آئی دریں رہ یکدمے ... صد فتوحت پیش آید ہر دمے (۹۶)

اصل شئے اخلاص و صدقِ نیت ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر شرک بھی اخلاص کے ساتھ ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ سے بالآخر ہدایت نصیب ہو کر رہے گی۔ شیخ حکایت لکھتے ہیں کہ ایک شب حضرت جبرئیل اپنے مقامِ قرب میں تھے کہ حضرت قدس سے صدا لبیک کی سنائی دی۔ سمجھے کہ کوئی خاص مقبول بندہ اس وقت ذکر و عبادت میں مصروف ہے اور اس کی پذیرائی ہو رہی ہے۔ جی میں آئی کہ اس کا پتہ لگائیے۔ دم بھر میں ہفت اقلیم کا چکر لگا ڈالا۔ اس کا پتہ نہ چلا۔ کرۂ زمین کا رُخ کیا۔ اس کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ پتہ پھر بھی نہ چلا۔ اپنے مقام پر واپس آئے۔ دیکھا کہ حضرت قدس سے صدائے لبیک برابر چلی آ رہی ہے۔ تلاش از سر نو شروع کی اور اب کی بھی ناکام رہے۔ عاجز آکر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ حکم ہوا۔ ملک روم میں جا کر دیکھو۔ آکر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بُت کے آگے اس کی عبادت ہو رہی ہے۔ دنگ و حیران ہو کر عرض کی پروردگار عالم، یہ آخر کیا راز ہے کہ صریح بت پرستی پر یہ رحمت! جواب سُنیے ؎

حق تعالیٰ گفت ہست او دل سیاہ
زاں نمی داند غلط کردست راہ ... وہ نادانی سے غلط راہ پر پڑ گیا ہے
از نیازش خوش ہمی آید مرا ... تو کیا ہوا ہم تو اس کے خلوص قلب کو دیکھ رہے ہیں
زیں نشان دادن ہمی باید مرا ... وہ اس وقت گمراہ ہے تو ہوا کرے ہم ابھی
گر زغفلت رہ غلط کرد آں سقط ... اس کے خلوص نیت کا انعام یہ دیتے ہیں
منکہ می دانم نہ کردم رہ غلط ... کہ وہ راہ راست پر آیا جاتا ہے۔
ہم کنوں را پیش ہم تا پیشگاہ ... (ص ۹۰)
لطف او خواہد شد او را عذر خواہ

چنانچہ ؎

این بگفت و راہ جانش بر کشاد — معاً اس کا قلب روشن کر دیا گیا۔ کشود کا
در خدا گفتن زبانش بر کشاد — کے مرتبے آناً فاناً طے کرا دیئے گئے اور
مشرک و بت پرست بات کہتے کہتے
موحد و خدا پرست ہو گیا۔

شیخ کے نظام عمل میں سب سے بلند و مقدم مرتبہ، احکام الٰہی کے اتباع کا ہے۔
ایک مرغ و زبان تمثیل میں روح کی زبان سے سوال ہوتا ہے کہ

دیگرے پرسید از وکہ رہنما سے — تعمیل ارشاد اور فرماں برداری کے
چوں بود گر مرامی آدم بجاے — باب میں کیا ارشاد ہے؟
من نہ دارم با قبول و رد کار — مجھے اختیار و انکار سے سروکار نہیں،
می کشم فرمان او در انتظار — میں تو محض اتباع امر کرنا چاہتا ہوں۔

ہُدہُد (پیغمبر حق) کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ

گفت نیکو کردی اے مرغ سوال — اس سے بلند تر کوئی بھی رتبہ نہیں یہ
مرد رازیں بیشتر نبود کمال — رتبہ اور سارے رتبوں سے اعلیٰ و افضل
کے بری جاں گر تو آنجا جاں بری — تعمیل امر میں ایک ساعت کی بھی اطاعت ساری
جاں بری گر تو بجاں فرماں بری — عمر کی اطاعت گزاریوں اور مجاہدوں
ہر کہ فرماں برد از خذلاں برست — سے بہتر ہے جو اپنی مرضی و ارادے
از ہمہ دشوارہا آساں برست — سے کیے جائیں۔
طاعتے با امر یک ساعت است — (ص ۱۳۶)
بہتر از یک عمر طاعت است

انسان بندہ ہے۔ اس کا کمال یہی ہے کہ بندگی میں کمال پیدا
کر دکھائے۔

بندگی این باشد و دیگر ہوس — بندگی اختیار کر اے [illegible]
تو خدائی می کنی نے بندگی — بے شعور و عقلی [illegible] بندگی

مقبولیت اور برگزیدگی کا دعویٰ آسان ہے۔ لیکن اس دعویٰ پر دلیل بھی کمالِ عبودیت و افگندگی ہے ؎

بندہ آں نبود کہ از روے گزاف — می زند در بندگی پیوستہ لاف

بندہ وقت امتحاں آید پدید — امتحاں کن تا نشاں آید پدید

باب ۸ ۱؎

لوائح

(مُلّا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ)

۱۔ مصنّف

ملا جامیؒ کا زمانۂ وفات نویں صدی ہجری کے اختتام کا ہے۔ اس لئے انہیں دورِ متوسطین کی آخری یادگار کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تصوف ایک ...... مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور اسلام کی سادہ تعلیم میں فلسفہ اور غیر مذاہب کی آمیزش اچھی طرح ہو چکی تھی۔

اسم گرامی قولِ مشہور کے مطابق نورالدین عبدالرحمٰن تھا۔ سفینۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ اصل نام عماد الدین تھا۔ مشہور نام نورالدین ہو گیا۔ والد کا نام ایک روایت میں احمد بن محمد دشتی آیا ہے۔ دوسری میں نظام الدین احمد دشتی۔ دشت اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے۔

ولادت قصبۂ جام میں ہوئی۔ کچھ اس مناسبت سے، اور کچھ اس لحاظ سے بھی کہ شیخ الاسلام احمد جامؒ کی عقیدت کا جام نوش فرمایا تھا، اپنا تخلص جامی قرار دیا۔ خود فرماتے ہیں:-

مولدم جام و رشحۂ قلمم　　جرعۂ جام شیخ الاسلامی ست
لاجرم در جریدۂ اشعار　　بدو معنی تخلصم جامی ست

۱؎ ماخذ:- (۱) نفحات الانس (جامی)، (۲) سفینۃ الاولیاء (دارا شکوہ)، (۳) مفتاح التواریخ (مسٹر بیل)

تخلص اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ نام بھول گئے ، عام زبانوں پر صرف جامی یا ملا جامی رہ گیا،
تاریخ ولادت بالاتفاق ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) ہے ، اور تاریخ وفات
بروایت قوی ۱۸ محرم ۸۹۸ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے ، ایک ضعیف روایت ۹۰۱ھ سے متعلق
بھی ہے ، وفات شہر ہرات میں ہوئی ،
بیعت سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا سعد الدین کاشغری سے تھی ، بچپن میں پانچ سال کے
بھی سن سے پہلے ، خواجہ محمد پارسا نقشبندی کی زیارت سے مشرف ہوئے ، طریق روحانیت کی
تخم ریزی قلب میں اسی وقت سے ہوگئی ، ۷۵ سال کی عمر میں جب نفحات الانس کی تالیف میں
مشغول ہوتے ہیں ، اس واقعہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں ، کہ قلم سے گویا سیاہی کے بجائے
عقیدت کے قطرے ٹپک رہے ہیں ، ۸۲۲ھ تھا کہ آخری جمادی الاول یا آغاز جمادی الآخر میں
خواجہ موصوف جام سے گزر رہے تھے خلقت گروہ در گروہ نذر و اخلاص و عقیدت پیش کرنے کو
ہو رہی تھی ، ملا جامی کے والد ماجد نے اس خورد سال بچہ کو خواجہ کی پالکی میں لاکر بٹھا دیا ، خواجہ نے
التفات خاص فرمایا ، اور ایک سیر مصری عنایت کی ، اس سرگذشت کو قلمبند کرنے کے بعد
لکھتے ہیں :-

" امروز آں شصت سال است کہ ہنوز صفائی طلعت منور ایشاں در دل
من و ہمانا کہ رابطۂ اخلاص و اعتقاد و ارادت و محبتے کہ ایں فقیر را نسبت بہ خاندان
خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم واقع ست بہ برکت ایشاں بودہ باشد و امید
می دارم کہ بہ یمن ہمیں رابطہ در زمرۂ محباں و مخلصاں ایشاں محشور گردم "
(نفحات ، صفحہ ۴۴۹-۴۵۰)

مگر سب سے ارتباط و اختصاص شاید خواجہ عبید اللہ احرار کے ساتھ تھا ، ان کا تذکرہ
نفحات اور اپنی دوسری کتابوں میں کمال عقیدت و تفصیل کے ساتھ کیا ہے ،
علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی ، استادوں میں نام ملا جنید ، خواجہ علی سمرقندی و
قاضی روم سمرقندی کے ملتے ہیں ، طالب علمی کے زمانہ میں بڑے ذہین اور بڑے قوی الحافظہ تھے
ذکاوت ، جودت ذہن ، قوت حافظہ ، ان سب کے عجیب و غریب واقعات تذکروں میں ملتے

ہیں، شوخ و ظریف بھی تھے، اس کا ثبوت آج تک بہارستان کے صفحات دے رہے ہیں۔

"حضرت مولانا را فہم و طبعے کہ بود بالاتر از آں من باشد و بسیار خوش خلق و خوش تکلم و شگفتہ بودند و مطایبہائے لطیف می فرمودند" (سفینۃ الاولیاء)

تصانیف کی تعداد لفظ جام کے ہم عدد، ۴۴ ہے، مشہور یہ ہیں:-

یوسف و زلیخا، تحفۃ احرار، سبحۃ الابرار، نفحات الانس، شواہد النبوۃ، لوائح، بہارستان، شرح کافیہ اور کلیات۔

مرید سلسلہ نقشبندیہ میں تھے، لیکن طبیعت پر ذوق و وجد چشتیہ کا سا غالب تھا، "ہمیشہ در ذوق و وجدی بودہ اند" (سفینہ) اور شاید اسی لئے سماع سے بھی محترز تھے۔

مثنوی، غزل، قصیدہ وغیرہ نظم کی ہر صنف پر قادر تھے، اور مدح، تشبیب، معرفت، توحید وغیرہ ہر مضمون کے مالک تھے، سب سے بڑھا چڑھا رنگ نعت کا تھا، اس جوش و خروش کی نعتیں فارسی میں کمتر کسی اور کی ملیں گی۔

مرتبہ کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے [illegible] ہمارے جنگل میں آ پھنسا ہے (سفینہ) خواجہ عبید اللہ احرار آپ کی تعبیر بر تے کا [illegible] لفظ "غرفداشت" سے تعبیر کرتے اور اکثر فرماتے تھے کہ "خراسان میں تو آفتاب [illegible] لوگ اسے چھوڑ کر ماوراء النہر کے چراغ یعنی میرے پاس کیوں آتے ہیں" گویا ملا [illegible] ٹھہراتے اور اپنے کو چراغ۔

احوال و کرامات کے اخفا میں خاص اہتمام تھا، یہاں تک بس چلتا [illegible] کمال کو نہ ظاہر ہونے دیتے، بایں ہمہ مرجع خلائق تھے۔

"مقبول عالم و مقتدائے ماوراء النہر و خراسان و پیشوائے [illegible] حسن بایقرا کمال عقیدت و نیازمندی بخدمت ایشاں [illegible]" (سفینہ)

سلطان اور امراء کی عقیدت مندیاں [illegible] تھے۔

"در عہد سلطان ابو سعید بہ خداشناسی و خدا پرستی شہرت یافتہ قبول [illegible] عام گشت، و در عہد سلطان حسن بایقرا بیشتر از پیشتر قبول یافتہ [illegible]"

غاشیہ انقیاد او بر دوش جاں می داشت" (مفتاح التواریخ)

خانۂ کعبہ کی زیارت کو گئے، تو آمد و رفت دونوں موقعوں پر قبول عام نے قدم قدم پر استقبال کیا، ایک مرتبہ دمشق میں مقیم تھے کہ سلطان روم کا قاصد پانچ ہزار اشرفیوں کی نذر لیتے ہوئے اس درخواست کے ساتھ پہنچا کہ قسطنطنیہ بھی شرف قدوم سے مشرف ہو جائے، مولانا قاصد سلطانی کی آمد کی خبر پاکر قاصد کے ورود سے قبل ہی تبریز چل کھڑے ہوئے تھے، یہاں حاکم کردستان حسن بیگ کی نیازمندیاں زنجیر پا ہونے لگیں، بمشکل تمام اجازت لے کر خراسان پہنچے یہاں پہنچے تو یہاں بھی نذرانوں کے انبار نے خیر مقدم کیا۔

۲ - تصنیف

"لائحہ" کے لفظی معنی شعاع درخشاں کے ہیں، مجازی معنی تختۂ عمل یا روزنامچہ کے ہیں۔ لوائح اس کی جمع ہے، لوائح جامی چند لائحوں کا مجموعہ ہے، کل تعداد نسخہ نولکشوری کے مطابق ۴۲ ہے، اور نسخہ لندنی کے مطابق اس سے کم، قدمائے فن کی تصانیف کی طرح سلوک کے علم و عمل پر یہ کوئی جامع و مبسوط رسالہ نہیں، بلکہ صرف فلسفۂ تصوف سے متعلق چند لطائف و اشارات کا مجموعہ ہے، زمانۂ تالیف وہ ہے، کہ یونانی مشرکوں کے فلسفہ کو مسلمانوں میں رائج ہوتے کئی سو سال ہو چکے ہیں، اور اشراقیت و مشائیت، تناسخ و حلول، عقل کل اور ہیولی اور اسی طرح کے خاک بلا، کیسے کیسے عقائد و اوہام، یونانی، مصری، ہندی، ایرانی فلسفۂ نجوم اور جوگ کے اثر سے اسلامی مدرسوں اور خانقاہوں میں داخل ہو چکے ہیں، اور خود مسلمانوں کے اندر شیخ الاشراق اور طوسی اور فارابی اور ابن سینا اور ابن رشد جیسے "معقولی" بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں اور ان کے خرافات توحید کے خاندان میں گھر گھر پھیل چکے ہیں۔

اسلامی تصوف اب قرآن و سنت پر عمل کا نام تھا، جنید و ذوالنون کا تصوف صحابۂ کرام کی تقلید تھی، ان کے عقائد و اعمال ابوبکرؓ و علیؓ کے عقائد و اعمال تھے، اب دور وہ تھا کہ ہر چیز "عقلی" بن چکی تھی، شیخ ابن عربی اور ان کے شاگردوں کے طفیل میں سلوک بھی اب ایک فلسفہ تھا، اور اس کے خاص خاص نظریات تھے، بڑے بڑوں کی خانقاہیں اور تکیے اب ایسے ایسے

عقائد اور اعمال کے گہوارے بن چکے تھے، جن سے صحابہ و تابعین کے دور میں کوئی واقف نہ تھا۔

ملا جامی اسی فضا میں آنکھیں کھولتے ہیں، اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اسی غذا سے نشو و نما حاصل کرتے ہیں، اور اس کے بعد اپنے قلم کو گردش دیتے ہیں۔ شیخ ابن عربیؒ کے رنگ میں رنگے ہوئے ان کے فلسفۂ وحدت الوجود میں ڈوبے ہوئے۔ اس پر بھی جب قدم اٹھاتے ہیں تو جادۂ شریعت سے باہر نہیں پڑنے دیتے۔ ساری کتاب میں بس ایک مسئلہ توحید باری اور اسی کے متعلقات کو مختلف پیرایوں میں مختلف تعبیروں کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور بدعات مشایخ میں سے کسی ایک کے بھی ذکر کی ہمت نہیں پاتے۔ موضوع نہایت نازک و متین ہے۔ اس پر بھی انداز بیان اتنا موثر ہے کہ پڑھنے والے پر ایک ہنگامی کیفیت تو فنائیت کی طاری ہو کر رہتی ہے۔

آغاز کلام میں زبان قلم یوں زمزمہ سنج حمد ہوتی ہے:۔

"خداوندا، سپاس تو بزبان نمی آریم و ستایش تو بر تو نمی شماریم، ہر چہ از صحائف کائنات از جنس اثنیہ و محامدست ہمہ بہ جناب عظمت و کبریائی تو عائد ست، از دست و زبان چہ آید کہ سپاس و ستایش ترا شاید تو چنانی کہ خود گفتہ و گوہر ثنائے تو آں ست کہ خود سفتہ ؎

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود ‏ ‏ ‏ ‏ عالم نمے از بحر عطائے تو بود
ما را چہ حد حمد و ثنائے تو بود ‏ ‏ ‏ ‏ خود حمد و ثنائے تو سزائے تو بود"

مناجات اور طلب توفیق میں متعدد رباعیاں کہی ہیں۔ مثلاً ؎

(۱) یارب دل پاک و جان آگاہم دہ ‏ ‏ ‏ ‏ آہ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
در راہ خود اول تو خودم بیخود کن ‏ ‏ ‏ ‏ آنگہ بیخود ز خود بخود راہم دہ

(۲) یارب ہمہ خلق را بمن بدخو کن ‏ ‏ ‏ ‏ از جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من مصرف کن از ہر جہتے ‏ ‏ ‏ ‏ از عشق خودم یک جہت و یکرو کن

تمہید اور مطالب و اغراض و تالیف کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

این رساله ایست مسمی به لوائح
در بیان معارف و معانی که بر الواح
اسرار و ارواح ارباب عرفان
و اصحاب ذوق و وجدان لائحه
گشته به مجاهدات لائقه و
اشارات رائقه متوقع که وجود
متصدی این بیان را درمیان نه
بینند و بر بساط اعتراض وسماط
اعتراض نه نشینند، چه اورا درین
گفتگو نصیبے جز منصب ترجمانی
نے، و بهره غیر از شیوهٔ
سخن رانی نے

من هیچم وکم ز هیچ هم بسیارے
از هیچ وکم از هیچ نیاید کارے
هر سر که ز اسرار حقیقت گویم
زانم نه بود بهره بجز گفتارے

اس رسالہ کا نام لوائح ہے، اس میں
ان معانی و معارف کا بیان ہے جو
ارباب عرفان و اصحاب ذوق ووجدان
کے قلوب وارواح پر روشن ہوئے.
اور جنہیں یہاں الفاظ مناسب و
اشارات دلکش کے ساتھ قلمبند کیا گیا.
امید ہے کہ پڑھنے والے یہاں بیانات
کے شارح کی شخصیت کا خیال درمیان
میں نہ لائیں گے اور اعتراض ونکتہ چینی سے
محترز رہیں گے، اسلئے کہ مصنف کا منصب
اس کتاب میں محض ترجمانی کا ہے، اس کی
حیثیت ایک آلہ سے زائد مطلق نہیں ہے

میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی بہت کم ہوں ایسے
ہیچ اور کمتر از ہیچ سے جو ہی کیا سکتا ہے.
یہ جو اسرار حقیقت میں بیان کر رہا ہوں ان
کا صرف ناقل و ترجمان ہی ہوں اس سے زائد کچھ نہیں

اب لوائح کے لائحہ شروع ہوتے ہیں،

(۱) لائحہ اول. اس بیان میں ہے کہ عالم ومافی العالم سے قطع نظر کر کے خدائے دوجہاں آفرین ہی کی طرف بہ کمال یکسوئی متوجہ رہنا چاہیئے،

ماجعل الله لرجل من قلبين في جوفه. حضرت بیچون که ترا نعمت ہستی داده است در درون تو جز یک دل نہاده ست تا در محبت او یک رو باشی و یک دل، و از غیر او معرض و برو مقبل، نه آنکه یک دل را صد پاره کنی و ہر پاره در پے مقصدے آواره سے

اے آنکه بہ قبلۂ بتان روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا

دل در پے ایں زآں نہ نیکوست ترا　　　یک دل داری بس ست یک دوست ترا

(۲) لائحہ دوم، اس حقیقت کے بیان میں ہے کہ مخلوق سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی و انتشار کا باعث ہوتا ہے، اور اگر وہ صرف خالق داور دیکتا سے لگی رہے، تو جمعیت خاطر و یکسوئی بھی تمام تر میسر رہے۔

"تفرقہ عبارت ازاں ست کہ دل را بہ واسطہ تعلق با مور متعددہ پراگندہ سازی، وجمعیت آنکہ از ہمہ بہ مشاہدہ واحد پردازی۔ جمعے گمان بردند کہ جمعیت در جمع اسباب است در تفرقہ ابد ماندند و فرقہ بہ یقین دانستند کہ جمع اسباب از اسباب تفرقہ ست از ہمہ افشاندند" ـ

اے مانک رہ سخن زہر باب بجوے　　　جز راہ وصول [illegible]

چوں علت تفرقہ ست اسباب جہاں　　　جمعیت دل [illegible]

(۳) لائحہ سوم کی تعلیم ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ظاہر و باطن ہر حال میں [illegible]

رخت خسارت کہ تو دیدہ از لقائے　　　[illegible]

او بردا شتہ ست دیدۂ نگری　　　[illegible]

وطریق رضائے او بگذاشتہ راہ　　　[illegible]

دیگرے بپری　　　[illegible]

با یار بہ گلزار شدم [illegible]　　　[illegible]

در گل نظرے فگندم از [illegible]　　　[illegible]

دلدار بہ طعنہ گفت شرمت بادا　　　[illegible]

رخسار من این ست تو در گل نگری　　　[illegible]

(۴) لائحہ چہارم کا ما حصل ہے [illegible]

ہے اس کے سوا [illegible]

(۵) لائحہ پنجم [illegible]

تو اس پر [illegible]

اور اس [illegible] [illegible] اور اسی [illegible]

[illegible] کیا۔

۴۔ [illegible] حقیقت بیان کی ہے۔

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حالے از حالات ازل [illegible]

در شنیدن و گفتن و [illegible]

(۸) لاتحرا مشتخم. جس طرح [illegible]

بھی کوشش کرکے تعلقات دنیوی سے [illegible]

(۹) لاتحرم. اس میں [illegible]

[illegible]

جسمی نہیں ہے وہ حق اور اعضا [illegible] | جب انہی حق جس میں کسی جسم کی
وہ حق نے [illegible] | کہاں [illegible] اس کی [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

(۱۳) الاں [illegible] وجود لفظ وجود سے حق بیان کئے ہیں

ایک وہ [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible] ہے

(۱۵) [illegible] صفات کی تحقیق میں ہے صفت ایک معنی [illegible]

[illegible] معنی [illegible] ذات

معلوم نہ ہو ذات اس کی جیسے | حق نہیں ہیں صفات [illegible]
بالفہم العقول [illegible] | ہے ایک ہی [illegible]
من حیث التعین والحصول [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

(۱۶) لائحہ شانزدہم میں اس حقیقت کی ترجمانی ہے کہ ذات بحیثیت ذات تمام اسماء و صفات و اضافات سے معریٰ ہے یعنی اپنے ظہور و شہود میں ان سب سے مستغنی و باقی ہے، اور جوں جوں تجلیات میں کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے یہ اضافے بڑھتا جاتا [illegible]

(۱۷) لائحہ ہفدہم یہ لائحہ بہت مفصل ہے، اس میں مراتب تعینات اور ذات واحد کے غنائے مطلق پر دقیق پیرایہ میں گفتگو ہے۔ خاتمہ کے چند شعر خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

(۱) دامان غنائے عشق پاک آمد پاک — ز آلودگی وجود ما مشتی خاک
چون جلوه گر و نظاره گر جمله خود است — گر ما و تو در میان نباشیم چه باک

(۲) واجب ز وجود خویش بد مستغنی ست — واجب [illegible] مستغنی ست
در خود همه را چو جاودان می بیند — از دیدن [illegible] مستغنی ست

(۱۸) لائحہ ہیجدہم یہ نوع حیوانی کے افراد کے تشخصات اور [illegible] جائے تو افراد کے ساتھ اسم مشترک اسی نوع حیوانی کا [illegible] کے تعینات کو دور کیا جائے تو اب اسم مشترک جوہر [illegible] نامی کے دوسرے انواع کے تعینات کو اگر حذف کیا جائے [illegible] جا اب بھی عمل تحلیل اگر جسم اور دیگر انواع جوہر کے تشخصات [illegible] باقی رہ جائے گا جوہر اور اعراض کے تعینات بھی اگر [illegible] پڑے گا اب ممکن و واجب کے تعینات کی تحلیل کریں [illegible] وجود مطلق باقی رہے گا اور یہی تمام موجودات [illegible]

تا چند [illegible] واجب [illegible] — [illegible]
یک ذات [illegible] — [illegible]

(۱۹) لائحہ نوزدہم یہ شئون و تجلیات [illegible] صورت ذہنی ذوق [illegible] [illegible]

ترقی ہے، خواہ وہ اپنے شعور

اختیار کرے۔

پاک یا ناپاک کچھ بھی نہ ہوتا۔

نہیں ہو جاتا اور

صورت نہیں

ہوتا ہے

مستغنی ہے پھر

دونوں ہیں

کی جاتی ہے

گیا ہے۔

ہے اور ست

ہے اور ست

ہے پھر تین مراتب ہیں

اسماء صفات و افعال

عبودیت و خلقیت

صفات و تجلی

نہ تھی

جب اس

ہے، کسی کشف

جزو آخری کے

عرفان سے عاجز ہیں۔ ؎

ہر چند کہ جان عارف آگاہ بود [illegible]

[illegible] [illegible]

(۲۵) لا تعین [illegible] حقیقت [illegible]

لیکن بہ لحاظ تجلیات و شئونات کثیرہ [illegible]

کرتے ہیں اور بہ لحاظ ظہور [illegible]

کے نسب و اعتبارات ہیں اور یہی معنی ہیں [illegible]

(۲۶) لا تعین [illegible]

اعراض سے جو عین [illegible] کہ حقیقت [illegible]

تبدیل ہوا کرتا ہے جیسا کہ [illegible]

(۲۷) لا تعین [illegible] وحدت [illegible]

جس کے [illegible] تعینات و تنزلات ہیں [illegible]

تمثیل [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۲۸) لا تعین [illegible]

[illegible]

یوں بیان کرتے ہیں ؎

[illegible]

(۲۹) لا تعین [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۳۰) لاکھ سی ام، ہر امر وجودی بجائے خود خیر محض ہے، جس عمل میں شر وذم کا پہلو نکلتا ہے وہ کسی فعل وجودی کا بجائے خود نتیجہ نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک فلاں امر وجودی نے دوسرے امر وجودی کو معدوم کر دیا   زید اگر بکر کو قتل کر ڈالتا ہے تو یہ واقعہ اپنے اثباتی یا ایجابی پہلو یعنی زید کی قابلیت قتل کے لحاظ سے مذموم نہیں، بلکہ اپنے عدمی و سلبی پہلو سے مذموم ہے یعنی اس اعتبار سے کہ اس نے بکر کی حیات کو مرتبۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔

(۳۱) لاکھ سی و یکم، اس میں شیخ صدرالدین قونوی کے ایک قول کی تشریح کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ علم تابع ہے وجود کے، ہر حقیقت وجودی کے لیے ایک علم ہے، اور جو تفاوت تعلق وجود میں ہے اسی کے تناسب تفاوت علم بھی رہتا ہے۔

(۳۲) لاکھ سی و دوم جس طرح ہستی مطلق کی حقیقت، کائنات کی ہر ہر ذات میں شامل و مندرج ہے، اسی طرح اس کے صفات بھی جملہ صفات موجودات میں جاری و ساری ہیں۔

(۳۳) لاکھ سی و سوم، اصل عبارت :-

«حقیقت ہستی ذات حق سبحانہ و تعالیٰ شئون و نسب و اعتبارات آں صفات او و اظہار او مرخود را ملتبسہ بہذا النسب والاعتبارات فعل تاثیرا د تعینات ظاہرہ مرتبہ علی ہذا الاظہار آثار او»

(۳۴) لاکھ سی و چہارم، حضرت حق کی تجلیات دو ہیں، ایک غیبی، اس کو صوفیہ فیض اقدس سے موسوم کرتے ہیں، دوسرے شہادی وجودی، اس کا اصطلاحی نام فیض مقدس ہے۔

واین تجلی ثانی مترتب بر تجلی اول ست و مظہر ست مر کمالاتے راکہ بہ تجلی اول در قابلیات و استعدادات اعیان اندراج یافتہ بود۔

یہ دوسری تجلی اسی پہلی تجلی پر مترتب ہوتی ہے، اور جن کمالات کو تجلی اول نے درجہ قابلیت و استعداد میں مندرج رکھا تھا، ان کی یہ مظہر ہوتی ہے۔

تاریخ تصوف کے بہت متاخر زمانہ کی بساط بھی نظروں کے سامنے بچھ گئی تصوف کی جگہ اب فلسفۂ تصوف لے چکا ہے، اصطلاحیں تمام باہر والوں کی پھیل گئی ہیں، یہ سب ہے، لیکن گفتگو وہی توحید ہی پر جاری ہے، مشرکانہ خیالات، نیم مشرکانہ بدعات و رسوم کا نام بھی شروع سے آخر تک نہیں آنے پاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا فن توحید ہی سے شروع ہوتا ہے، اور توحید ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔

باب ۹

فقرِ محمدی

(شیخ احمد الواسطی)

پرانے مشائخ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی گزرے ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کو عارف کامل کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

از کبار مشائخ دیار عرب بود و	عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے
مقتدائے روزگار و در طریق اتباع	اپنے زمانہ کے پیشوا اور پیروی
سنت و تقویم و ترویج آں طریقہ	سنت رسول اور اس کے پھیلانے
سرِ دفتر وقت خود بود۔	میں اپنے زمانہ میں یگانہ تھے۔

ان بزرگ کا لکھا ہوا ایک رسالہ الفقر المحمدی کے نام سے ہے۔ شیخ دہلوی کو یہ رسالہ ... اس کا بار بار تذکرہ کیا، اس کا فارسی ترجمہ انہوں نے تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی نام سے کر دیا۔ جو ان کے مجموعہ رسائل و مکتوب میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے۔ آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست و موافقین اس کو شریعت سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے لئے شاید اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہو۔ ترجمہ لفظی نہیں، عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں اور مضامین کی ترتیب میں بھی کہیں کہیں تبدیلی کی گئی ہے۔

تصوف کا اصل اصول: اگر تم درویشی اور اصل فقیری کی طلب ہے جس کی جستجو ہو رہی ہے، شائقین طالب ہوں تو لازم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیری اور درویشی کو اور انہی کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے

کے آنے والوں کی دوروپشی نہ اختیار کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گندہ ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ اصلی قائم نہیں رہتا ہے۔

اس مسلک کا انجام | اس طریقۂ محمدی پر اگر قائم رہے تو امید ہے کہ کلوں سے جا ملوگے، جو پیغمبر خدا کے اصحاب تھے۔ قیامت کے روز پیغمبر کے جھنڈے کے نیچے پیغمبر اور یارانِ پیغمبر کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے لیکن تمہارے اوپر اس وقت تمہارے شیخ یعنی حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔

تصوف کے معنی | لوگوں کی زبان پر اگرچہ لفظ تصوف ہے، لیکن اس کی حقیقت سے [illegible] واقف ہیں، نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی ہے [illegible] کیا ہے۔ اگر تصوف کے معنی سمجھ میں آ جائیں اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے تو [illegible] کی انتہا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تصوف کے میدان میں قدم رکھنا [illegible] ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہونے۔

لازمی شرطیں | اس رنگ میں دو شرطیں [illegible] ہیں [illegible] مغفور رکھتا ہے، اسی [illegible] اپنے والد [illegible] گناہ سے [illegible] ظلم پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے [illegible] خلاف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

کاملین کا مرتبہ | اوپر جو تفصیل بیان کی گئی یہ مبتدیوں کے لئے ہیں جب دل کو انہیں کے سننے کی تاب نہیں اور ان پر شغل کی دشواری ہے تو پھر کاملین کے مرتبہ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں اور اس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے کی جا سکتی ہے۔ صرف ان سے وہ جو اندازہ لگایا جا سکتا ہے

سچے فقیر کی علامات | سچے فقیروں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اس کی آواز پر وجد کرتے ہیں اور اس کے سننے کے وقت ان پر ذوق و شوق یعنی انوار و تجلیوں کا ظہور ہوتا ہے جیسے غضب کی بات جو کہ محبوب کی محبت ہو وہ محبوب کی بات اس کے کلام میں لطف نہ آئے اور اس سے طبیعت میں خوشی ہو اور لطف آئے تو شاید پھر کھلے جاتے ہیں اور ذوق ہو جاتا ہے۔

سماع اور قرآن | اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لیے ساری لذت و حلاوت قرآن میں ہے اور ان کی راحت و تسکین کا سامان اسی میں ہے۔ کلام کے ساتھ ان کا دل لگا رہے اور محبت بڑھتی ہے اور قرآن و حدیث، ذکر اذکار، اخبار و وعظ و نصیحت ہی ان کے دلوں میں اثر پیدا کرتی ہے اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں اور جو کہا جاتا ہے کہ شعر کو قرآن کی طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے اس لئے اشعار کو سن کر دل میں قدرتاً تحریک پیدا ہوتی ہے اور قول محبوب سے نسبت ہے اس لئے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سے حرکت کرنا طبیعت کا تقاضا ہے چنانچہ حیوانات اور بچے سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ فطرت انسان کی اصل لذت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے اور محبت الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد آنے والوں کا حال تھا ان کے قلوب کو حرکت میں لانے والی اور ان کے شوق، وجد، رقت اور خشوع کو بڑھانے والی شے قرآن پاک کی تلاوت ہوتی تھی۔

عملی ہدایات | صحیح تصوف یا فقیری میں قدم رکھنے والوں کے لئے عملی ہدایات یہ ہیں جو لکھی جاتی ہیں۔

اپنے پروردگار کے سامنے جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمتیں عطا کی ہیں، صدق دل سے توبہ کرنا۔ پھر تنہائی میں جا کر سب کی نگاہوں سے الگ وضو کر کے دو رکعت پڑھنا۔ اس سے فارغ ہو کر ننگے سر ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر تک

رہنا کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں۔ اس وقت رو رو کے توبہ استغفار کرنا۔ الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار پڑھنا۔ پھر طریق پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم [illegible] رہنے کے لیے توفیق چاہنا۔ اور آئندہ کے لیے مضبوط عہد کرنا کہ [illegible] آنکھ، کان منہ [illegible] اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے۔ الغرض جب [illegible] زبان کی [illegible] جھوٹ، بد زبانی وغیرہ سے آلودہ [illegible] اگر کسی ایسی چیز پہ پڑی ہو [illegible] کا [illegible] اپنے اوپر پانی [illegible]

[illegible]

درود بھیجنے کی رغبت، دل میں ان نفوس کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاوہ محبت کو اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو ان کی یاد ہو تو ان کی چھوٹی بڑی تو ان کی ہر امر میں ان ہی کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور ان کی پیروی میں اتنی شدت ہوتی جائے کہ ہر شخص دیکھتے ہی سنی سمجھ لے۔

رسالے کے اہم ضروری مطالب کا خلاصہ سطور بالا میں آگیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی ان مطالب کو نقل کر دینے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے چلے گئے ہیں۔ اس شریعت اس بات کو وہ اپنے عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں؟ کیا اہل سنت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجائش ہے؟ کیا اس گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے دنیا کو یہ پتہ چلا تھا کہ خدائے ذوالجلال واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے۔ اگر آج سارے مسلمان فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنا فی اللہ، حق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر جمع ہو جائیں تو آپس کی یکجہتی و تنظیم رد کر سکنے کے لئے کون کیا شئے رہ جاتی ہے؟

تمت بالخیر

[illegible]

مثنوی معنوی

مولانا جلال الدین بلخی معروف بہ رومی

با ترجمہ و مقدمہ و حواشی اردو

قاضی سجاد حسین

محقق و مدرس سابق فتحپوری دہلی

پیش گفتار

ڈاکٹر وحید قریشی استاد غالب شناسی

رئیس فوکلٹیہ ادبیات و علوم اسلامی

دانشگاہ پنجاب

مکمل فارسی متن مع اردو ترجمہ و حواشی چھ جلدوں میں

۲ جلد مجلد قیمت فی سٹ ۱۶۰/- روپے

اسلامک بک فاؤنڈیشن

ایل سمن آباد۔ لاہور

[illegible]	۳/-
[illegible]	۵/-
[illegible]	۳/-
[illegible]	۲۵/-
[illegible]	۶/۵۰
[illegible]	۵/-
[illegible]	۲۵/-
[illegible]	۲۵/-
[illegible]	۳/-
[illegible]	۴۰/-
[illegible]	۵۲/-
[illegible]	۴/-
[illegible]	۹/-
[illegible]	۹/-
[illegible]	۳۳/-
[illegible]	۱۵/-
[illegible]	۲۲/-
[illegible]	۲۰/-

[illegible] لاہور

1601